یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید سید حسین احمد مدنی | خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ حضرۃ مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ | حکیم العصر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرۃ مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب حفظہ اللہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرۃ مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 25......زرسالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

۱	دینی مدارس میں قدیم عربی ادب کی تدریس........	اداریہ..................	3
۲	امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ.............	مولانا قاضی مظہر حسینؒ.......	6
۳	علاماتِ قیامت، موجودہ فتنے، علماء کی ذمہ داری....	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی...	19
۴	حجیت حدیث اور جاوید احمد غامدی...................	مولانا قاضی نثار احمد.........	22
۵	نئے تعلیمی سال کے موقع پر طلبہ سے کچھ باتیں......	مولانا مفتی راشد ڈسکوی.....	27
۶	استاذِ مکرم مولانا فیض محمد رحمہ اللہ..............	حمزہ احسانی..................	36
	امام کے پیچھے قراءت منسوخ ہے، البانی کا فتویٰ....	مولانا مفتی رب نواز.........	42

مودودی اور شیعہ سے اتحاد کے نقصانات پر مولانا فضل الرحمٰن سے گفتگو

حضرت (قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ) کے وصال سے کچھ عرصہ قبل مولانا فضل الرحمٰن صاحب چکوال میں اپنے جلسہ کے لیے تشریف لائے تو حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے ان کے ہاں تشریف لائے، حضرتؒ کے کمرہ میں ہی ملاقات ہوئی، اُنہوں نے ملکی حالات پر گفتگو شروع کی، چونکہ اُن دنوں اُن کا اتحاد مودودیوں اور شیعوں سے بھی تھا جسے ''متحدہ مجلس عمل'' کا نام دیا گیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جماعتوں کے باطل نظریات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دوران گفتگو مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے مسکرانے پر ہی اکتفاء فرمایا، حضرت نور اللہ مرقدہ کی کسی بات کا جواب یا کوئی توضیح پیش نہ کی، حضرت رحمہ اللہ نے تفصیل سے ان کے ساتھ اتحاد کے نقصانات سے آگاہ فرما کر گویا اپنا فریضہ ادا فرما دیا، حضرت رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کا ایک رسالہ ''اسلام کی بنیادی چار اصطلاحیں'' جس میں مودودی صاحب نے سورۃ ''النصر'' کی تفسیر کرتے ہوئے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو دینا چاہا تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے کہا میں اُنہی سے (قاضی حسین احمد صاحب) لے لوں گا، لیکن اس حوالے کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہ کی، بلکہ حضرت رحمہ اللہ کی ہر بات کی تائید اور تصدیق ہی کرتے رہے اور کہا کہ یہ مجاہدہ آپ ہی کی ہمت ہے، گویا آپ سب کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے کا حق پورا فرما رہے ہیں۔ [حسین یادیں: ۱۲۷]

پیام صفدر مدیر مسئول کے قلم سے

مدارس دینیہ میں قدیم عربی ادب کی تدریس

کیا اُردواَدب میں موجود بعض فحش مضامین کو پڑھنا یا پڑھانا غلط ہے؟ اگر غلط ہے تو پھر دینی مدارس میں ایسا عربی ادب کیوں پڑھایا جاتا ہے جس میں فحش عناصر پائے جاتے ہیں؟

آیئے! اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

۱......دنیا کی کوئی بھی زبان ہمیشہ ایک جیسی حالت میں نہیں رہتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ تغیر پذیر ہوتی اور شکل وصورت بدلتی رہتی ہے۔ دور کیوں جایئے، آج سے سوسال قبل کی اردو کو آج کے اچھے بھلے اردو دان سمجھنے اور پڑھنے سے تقریبا قاصر ہیں، الفاظ، محاورات، ضرب الامثال حتی کہ تذکیروتانیث اور واحد جمع کے قوانین تک تبدیل ہو چکے ہیں۔

زبان اہل زبان کے دم سے قائم ہوتی ہے، اگر کوئی زبان دوسری زبانوں کے غلبے سے اپنا رنگ روپ کھونے لگے، اہل زبان زمانے کے تشدد سے اس کو بچانے میں ناکام ہونے لگیں اور اجنبی ونوزائدہ الفاظ کے زبان میں گھسنے کے عمل کو نہ روک سکیں تو اب اس زبان کے دنیا میں باقی رہ جانے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس زبان کا اصل اور ٹھیٹھ لٹریچر نہ صرف محفوظ رکھا جائے بلکہ اس کو درسیات میں شامل کر کے ہر زمانے میں قوم کا ایک طبقہ ایسا تیار کیا جائے جو اس کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

جیسے آج کل ہماری اردو کی درسگاہوں میں میر، ذوق، غالب اور اقبال وغیرہ کو پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور ان کے کلام پر عبور کے بغیر کسی کو اردو کا ماہر نہیں سمجھا جا سکتا۔

۲......دنیا کی کسی بھی زبان کو اس کی اصل حالت میں باقی رکھنا اس زبان کے بولنے والوں کی زیادہ سے زیادہ ثقافتی ضرورت ہو سکتی ہے لیکن عربی زبان کو اس کی اصل حالت میں باقی رکھنا مسلمانوں کی ایمانی ضرورت ہے، ان کے اوپر فرض ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک سمیت اسلام کا تمام بنیادی لٹریچر عربی زبان میں ہے اور اگر اس اصل عربی زبان کو محفوظ نہ رکھا گیا تو اسلام کو بعینہ وہی صورت حال درپیش آ سکتی ہے جو دوسرے اہل کتاب کو پیش آئی، ان کی اصل زبانیں اصلی حالت میں دنیا سے ناپید ہو گئیں، آسمانی کتابیں ترجمہ درترجمہ کے عمل سے ہزاروں بار گذر کر ایک چیستاں اور لاینحل معمہ بن کر رہ گئیں، ان کے علماء کتاب کے کسی معنی کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو وادءِ تحیر میں سرگرداں رہ جاتے ہیں کیونکہ نہ کتاب کی اصل زبان محفوظ اور نہ کتاب کے اصل الفاظ ہی محفوظ...... نتیجۃً جو حالت ان کے مذاہب کی ہوئی ہے سب کے سامنے

ہے،عیاں راچہ بیاں۔۔

۳......اصل عربی زبان کو اگر ہم محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو وہ قرآن پاک اور احادیث کے علاوہ نزول قرآن کے زمانے کے شعراء کے کلام میں موجود ہے۔یہی وہ دواوین ہیں جن میں اس زبان کو پڑھا اور جس کی بنیاد پر عربی کے کسی لفظ کو پرکھا جاسکتا ہے۔قرآن پاک کے کسی لفظ کے معنی کی تحقیق میں بھی اسی کلام سے مدد لی جاتی ہے۔قرطبی اور روح المعانی اٹھا کر دیکھ لیجئے!الفاظ کے معانی اور محاورات عرب کی تحقیق میں ہر ہر صفحے پر جاہلی شعراء کے کلام سے استدلال کیا جاتا ہے۔اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جاہلی ادب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا تھا اور اسی حکم کی بناء پر امت نے آج تک اس کو محفوظ رکھا ہے۔

۴...... زمانہ جاہلیت کے شعراء کیونکہ مسلمان نہیں تھے اس لیے ان سے شاعری میں تقوی و نیکوکاری کی توقع رکھنا حماقت ہے۔ان کی شاعری اپنے انساب کے مفاخر، بہادری وشجاعت کی داستانوں، اپنے خاندانوں اور قبائل کے ساتھ ساتھ اپنی تلواروں،گھوڑوں اور اونٹوں کے قصیدوں اور عورتوں کے حسن و جمال وغیرہ کے عناصر پر مشتمل ہے۔ان میں فحاشی و بے ہودگی کا عنصر موجود ہے تاہم مجموعی طور پر وہ اتنا نہیں ہے جتنا دکھایا جاتا ہے۔جاہلی شعراء میں سب سے زیادہ فحش گو اور منہ پھٹ شاعر امرؤالقیس ہے اور اس کے قصیدے کا جو حصہ وارداتِ حسن وعشق سے نکل کر صریح فحاشی کی حدود میں داخل ہورہا ہے وہ غالباً اس کے قصیدے کے سدس سے زیادہ نہیں ہے۔اس کے علاوہ دیگر قصائد کا زیادہ تر عنصر شجاعت بہادری سخاوت اور جفاکوشی وغیرہ ہے اور عورتوں کا ذکر کہیں ہے بھی تو ملفوف انداز میں اور تہذیب کے دائرے میں ہے۔

۵......ان جاہلی قصائد کو اسلامی مدارس میں جب پڑھایا جاتا ہے تو اساتذہ وطلباء کی پوری توجہ الفاظ کے معانی، ان کے مادے،لغوی وصرفی تحقیق اور ہر لفظ کی قرآن وحدیث سے تخریج پر ہوتی ہے۔قصائد میں جن برائیوں کا ذکر ہوتا ہے ان کو برائی ہی سمجھا جاتا ہے۔نہ ان جاہلی شعراء کو کوئی احمق اپنا آئیڈیل سمجھتا ہے اور نہ کسی کو ان کے ''نقش قدم'' پر چلنے کا کوئی شوق پیدا ہوتا ہے۔

۶......اس کے برعکس جب ہم مغربی ادب کے نقال زمانہ حال کے اردو افسانہ نگاروں یا ناول نگاروں کو پڑھتے ہیں تو یہ لوگ سادہ الفاظ میں اپنے واقعات وحقائق کو بیان نہیں کرتے بلکہ پوری منصوبہ بندی سے قاری کو ایک خاص رخ پر لے جانے، اس کے جذبات کو بھڑکانے، برانگیختہ کرنے، اس کے خیالات کو منتشر کرنے،اس کی باقاعدہ ذہن سازی کرنے اور اس کے عقائد وافکار پر حملہ کرنے اور ان کی بنیاد ہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس زمانے میں میڈیا ایک باقاعدہ صنعت بلکہ ایک سائنس ہے اور یہ اس قدر کامیاب سائنس ہے کہ جن رسالوں،افسانوں، ناولوں اور فلموں کو انسان محض وقت گذاری کے لیے پڑھ اور دیکھ رہا ہوتا ہے

ان کے ذریعے اس کے بنیادی عقائد تک کو بغیر کسی دلیل یا حجت کے محض ادبیت ولفاظی کے زور پر ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا ہے۔

۷......جاہلی ادب کو اگر چہ ایک درجہ مجبوری کی بناء پر پڑھایا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس کے فحش عنصر کی کثافت سے طبیعت کو تکدر ہوتا ہے اور علماء کو اس کا احساس ہے، شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کی ''نفحۃ العرب''اور مولانا سید علی میاں رحمہ اللہ کی''مختارات من ادب العرب''اسی احساس کا نتیجہ ہیں اور دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی کتاب کے مقدمے میں اس امر کی صراحت کی ہے۔

۸......اوپر عرض کی گئی تفصیل سے معلوم ہوا کہ عربی زبان کو محفوظ رکھنا مسلمانوں پر فرض ہے اور جاہلی ادب کو پڑھنا پڑھانا اس کے لیے ایک مجبوری ہے۔ جبکہ اردو زبان کی اصل شکل کو بعینہ محفوظ رکھنا نہ ہم پر فرض ہے اور نہ ہی اس کی حفاظت منٹو وغیرہ کو پڑھنے پر موقوف ہے۔ اصل اور ٹکسالی اردو کے ادیب میر، ذوق، غالب وغیرہ ہیں نہ کہ منٹو جیسے تیسرے درجے کے لوگ۔ منٹو بنیادی طور پر جنس نگار نہیں نفسیات نگار ہے، مگر بے حد منہ پھٹ، بے ہودہ گو اور واہیات قسم کا نفسیات نگار....اس کی تحریر کو پڑھ کر دل میں کثافت اور تکدر پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات ابکائی آتی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی شریف الطبع یا سلیم الطبع انسان اس کو پڑھ کر اپنے دل میں وہ نشاط اور کیف محسوس کر سکتا ہے جو کسی اچھے ادیب کو پڑھتے وقت دل میں محسوس ہوتا ہے۔

۹......نیز سعدی اور منٹو وغیرہ میں بھی بنیادی فرق وہی ہے کہ سعدی ہنسی مزاح میں حکمت کی باتیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور منٹو اپنی تحریر سے ذہنی آلودگی اور آوارگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نصاب میں سعدی کی گلستان کے جو ابواب پڑھائے جاتے ہیں ان میں ہزلیات کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔

۱۰......اشکال یا اعتراض کر دینا یا کسی اعتراض کو لے کر آگے اڑا اور پھیلا دینا کوئی کمال نہیں ہے، اعتراض کی حقیقت تک پہنچنا اور سنجیدگی محنت اور تحقیق سے اس کا موازنہ کر کے کسی نتیجے پر پہنچنا کمال ہے۔

اگر آپ خود غور وفکر کر کے کسی اعتراض کو پرکھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں تو ان اعتراضات کو آگے پھیلانے کے لایعنی شغل کو ترک کر کے اپنے اندر ان کے صحیح تجزیے کی صلاحیت اور علمیت پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ زخم لگانا کمال نہیں، مرہم لگانا کمال ہے۔۔۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

☆......☆......☆......☆

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

امام اہل سنت رحمہ اللہ...... چودھویں صدی کی ایک عظیم شخصیت

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ''تحفہ خلافت'' کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی تحریر

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ۱۳۸۶ھ میں جناب محمود الحسن ونور محمد تاجران کتب ۱۴ بی شاہ عالم گیٹ لاہور نے شائع کیا تھا جو نایاب ہے۔اس کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت تھی اور احباب کا تقاضا بھی تھا۔حق تعالی کی توفیق خاص سے اس کا جدید ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب زید مجدہم مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم (وامیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب) شائع کر رہے ہیں۔مضامین اور مباحث کی مناسبت سے اس مجموعہ کا ایک نام ''تحفہ خلافت'' تجویز کیا گیا ہے۔خداوند کریم اس عظیم علمی و تحقیقی تحفہ سے ملک وملت کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم

امام اہل سنت کے مختصر حالات زندگی:

حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ فاروقی لکھنو سے چند میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ کاکوری میں بتاریخ ۲۳/ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ موافق ۱۰/جنوری ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے اور تقریبا ۸۸/سال کی عمر میں بمقام لکھنو بتاریخ ۱۷/ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ موافق ۲۳/اپریل ۱۹۶۲ء کو اس جہان فانی سے بعالم جاودانی رحلت فرما گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید   زجام دہر مئے کُلُّ مَن عَلَیہَا فَان

آپ کے والد ماجد مولانا حافظ محمد ناظر علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حافظ عبدالسلام نقشبندی ہسلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔امام اہل سنتؒ نے ابتدائی تعلیم ہسلوہ میں حاصل کی۔اس کے بعد اللہ تعالی نے ان کو ایک جامع علم وعمل استاد حضرت مولانا سید عین القضاۃ نقشبدی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔جہاں آپ نے درسی کتب کی تکمیل کی۔چنانچہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ تعالی کی وفات کے بعد آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:

''حضرت مرحوم کی ذات والا میں بہت سے اوصاف حق تعالی نے ودیعت فرمائے تھے جو اس زمانہ

میں کبریت احمر کہنے کے قابل ہیں۔ حضرت مرحوم نسباً سید تھے۔ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، وطن آپ کا حیدرآباد دکن تھا۔ اپنے والد ماجد جناب سید محمد وزیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کم سنی میں لکھنو تشریف لائے اور پھر یہیں مقیم ہوگئے۔ لکھنو میں آکر مسند الوقت حضرت علامہ ابوالحسنات مولانا الشیخ محمد عبدالحئی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ اکثر کتب درسیہ حضرت ممدوح سے اور بعض آپ کے منتہی طلبہ سے پڑھیں۔ حلقہ درس آپ کا اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ سلیقہ تعلیم اور طریقہ درس ایسا عمدہ تھا کہ جو شخص ایک کتاب بھی آپ سے سمجھ کر پڑھ لیتا، ایک قسم کی استعداد اُس میں پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ حقیر ۱۳۰۹ھ میں وارد لکھنو ہوا، حسب ذیل کتب جناب مرحوم سے میں نے پڑھیں۔ علم الفرائض، اقلیدس، میبذی، میرزاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد شرح مواقف، تحقیقات مرضیہ، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، خیالی مع حاشیہ سیالکوٹی، شرح چغمینی، بست باب اصطرلاب، شرح نخبۃ الفکر، مشکوٰۃ، بخاری، ترمذی، شمائل ترمذی، سب کتب میں اول سے آخر تک میری ہی قرأت ہوتی تھی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جو طالب علم عبارت غلط پڑھتے تھے، صرف ونحو میں ان کی استعداد اچھی نہ ہوتی ان کو قرأت کی اجازت نہ دیتے تھے۔ باقی کتب درسیہ یہاں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں۔ رحمهم الله تعالى عليهم اجمعين والحقهم بعباده الصالحين۔'' [النجم لکھنو جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ]

النجم کا اجراء:

امام اہل سنتؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

''النجم کی اشاعت سے پہلے کچھ دنوں میرا قیام دہلی میں تھا غالباً یہ زمانہ ۱۳۲۲ھ سے قبل کا ہے۔ اس وقت سب سے پہلے رسالہ ''الاصلاح'' میری نظر سے گزرا۔ جس میں یہ دلخراش مضمون کچھ عجیب انداز سے لکھا گیا تھا کہ شیخین (یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ) کا روضۂ پیغمبر میں مدفون ہونا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کے گھر میں بغیر اِذن داخل ہونے کی ممانعت کی ہے۔ یہ پہلا دن تھا کہ شیعوں کے قلم سے ایک ناپاک حملہ بزرگان اسلام کی شان میں دیکھ کر دل کو صدمہ ہوا۔ اسی وقت میں نے اس کا جواب لکھا جو ''کرزن گزٹ'' میں شائع ہوا حالت یہ تھی کہ شیعوں کے خلاف اگر کوئی دفاعی مضمون لکھا جائے تو کوئی اس کے چھاپنے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد جب لکھنو آنا ہوا تو یہاں کی حالت کی دگرگوں پائی۔

شیعوں کے مشہور واعظ مقبول احمد صاحب کا نیا نیا عروج تھا۔ امرائے شیعہ اپنے یہاں اعلانیہ مجلسیں کر رہے تھے اور مقبول احمد صاحب بیان فرماتے تھے۔ بیان کیا تھا کھلے الفاظ میں تبرا ہوتا تھا۔ مراسم قدیم کی بنا پر سُنی بھی ان مجالس میں شریک ہوتے تھے اور کیے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں تمام شہر میں ایک شور برپا ہوگیا۔ اس پر طرہ یہ کہ گلی کوچوں میں جو شیعہ کسی سنی کو دیکھ لیتا تھا اس سے کہتا تھا کہ دیکھو

ہمارے مولوی صاحب تمہارے مذہب کا کس طرح ردفرمارہے ہیں۔اب تمہارے میں کوئی نہیں جو جواب دے۔اس وقت سے پہلے لکھنو میں کبھی شیعوں کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی۔حتی کہ اپنی سلطنت کے زمانے میں بھی۔

استاذی المرحوم مولانا سید محمد عین القضاۃ صاحب نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اس فتنہ کا علاج بہت ضروری ہے۔ادھر مولوی عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کا بھی اصرار ہوا۔اور چونکہ بعض آخری کتابوں میں میرے ہم سبق تھے۔لہٰذا ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا۔میں نے اس وقت مقبول احمد صاحب کو ایک خط لکھا کہ سنا گیا ہے کہ آپ اپنی مجالس میں مذہب اہل سنت پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔اگر یہ سچ ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ ان اعتراضات کو میرے سامنے بیان کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔اس خط کے پہنچتے ہی تمام مجلس میں ایک ہل چل پڑ گئی اور کئی دن کے بعد اس خط کا یہ جواب ملا کہ میں اس وقت فیض آباد نواب شفاالدولہ کے خاندان کا طلبیدہ جارہا ہوں۔چنانچہ وہ تشریف لے گئے۔مناظرہ پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔مگر تبرابازی بھی ترک نہ کی (جس کی سزا ان کو ملی۔یعنی ایک ہزار روپیہ جرمانہ ان پر ہوا)۔[1]

اس وقت لکھنو کی حالت یہ تھی کہ دو اخبار شیعوں کے یہاں سے نکل رہے تھے۔ایک ''الحکم'' اور دوسرا ''اخبار امامیہ''، اور ''اصلاح'' اور ''شیعہ کھجوہ'' ضلع سارن سے نکلتا تھا۔ان رسالوں میں جو ناقابل برداشت حملے مذہب اہل سنت پر ہوتے تھے ان کا کوئی جواب ہماری طرف سے نہ ہوتا تھا۔اگر کوئی جواب دینے کا ارادہ بھی کرتا تو اس کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ان سب حالات کو دیکھ کر ''النجم'' کے شائع ہوتے ہی شیعوں میں ایک غیر معمولی تگ ودو شروع ہوئی اور ہر قسم کی کوشش اس کے بند کرانے کے لیے کی گئی۔مگر خدا کے فضل سے کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔کئی سال تک ''النجم'' اخباری شکل میں ہفتہ وار شائع ہوتا رہا۔اس کے بعد پندرہ روزہ رسالہ کی صورت میں کر دیا گیا۔اس کے بعد کچھ دنوں بند رہا پھر خدا تعالیٰ کی تائید سے شروع ہوا۔اور اب دور جدید میں پہلے تو ماہوار تھا مگر اب اللہ کی مدد سے پندرہ روزہ ہے۔'' [النجم: ۲۱/۷، ذیقعدہ، ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ]

النجم کا فیض:

خاتم النبیین امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے صحابہ مثل تاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے)۔قرآن مجید میں رسولؐ کے متعلق فرمایا ہے: سراجا منیرا یعنی آپ آفتاب رسالت ہیں۔لہٰذا جو

---

[1] مولوی مقبول احمد دہلوی بہت غالی شیعہ تھے۔اپنے ترجمۂ قرآن میں بھی انہوں نے سبِّ صحابہ کا فریضہ ادا کیا۔اوران کا ضمیمہ ترجمۂ قرآن پاکستان میں ضبط ہو چکا ہے۔مگر شیعوں نے اسے دوسرے نام سے بعد میں شائع کر دیا ہے۔[خادم اہل سنت غفرلہ]

اہل ایمان بلا واسطہ حضور ﷺ سے فیضیاب ہونے والے ہیں بلاشبہ وہ آفتاب رسالت کے انوارِ ہدایت سے منور ہو کر 'نجوم ہدایت' بن گئے ہیں۔ ہر ہر صحابی کے سینے میں جو نورِ ایمان ہے وہ انوارِ نبوت کی شعاعوں کا ہی عکس ہے اور یہ وہی مقدس جماعت صحابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں ہی رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کی قرآنی سند عطا فرمادی ہے۔ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ چونکہ امام اہل سنتؒ کا مقصد اس رسالہ کے اجراء سے دفاع صحابہ ہی تھا۔ اس لیے آپ نے مذکورہ ارشاد رسالت کی روشنی میں اس کا نام 'النجم' رکھا۔ یعنی ہدایت کا ستارہ، النجم ایک خالص علمی اور دینی رسالہ تھا۔ جس کو حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے طفیل امام اہل سنتؒ کی ہمت و استقامت سے صحیح معنوں میں ہدایت کا ستارہ بنا دیا۔ جس کا نور نہ صرف دورِ حاضر میں بلکہ صدیوں تک ان شاء اللہ تعالیٰ اہل ملت اسلامیہ کو ظلماتِ باطل میں نورِ ہدایت دیتا رہے گا۔ النجم میں امام اہل سنتؒ نے سنی شیعہ نزاعی مسائل کے سلسلے میں ہر موضوع پر مدلل اور محققانہ مضامین لکھے ہیں۔ اور یہ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی بھی 'النجم' میں ہی شائع ہوتا رہا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے ہر اس آیت قرآنی کی جامع محققانہ تفسیر لکھی ہے جس سے اصحاب رسول یا خلفائے رسول ﷺ کی عظمت و حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے آپ کی یہ ایک عظیم الشان دینی خدمت ہے جو دورِ حاضر میں اور کسی عالم دین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس بنا پر علمائے حق نے آپ کو 'امام اہل سنت'' کا عظیم خطاب دیا ہے۔ ذالك فضل الله يو تيه من يشا

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد:

سنی و شیعہ نزاعی مسائل میں امام اہل سنت کو حق تعالیٰ نے ایک اجتہادی شان عطا فرمائی تھی۔ اور اکابر دین بھی اس سلسلہ میں آپ پر اعتماد کرتے تھے، چنانچہ ایک سائل کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ: ''اس کا جواب مجھ سے اچھا مولوی عبدالشکور صاحب مدرس مدرسہ عربیہ محلّہ چلہ امروہہ دیں گے۔'' [النجم ماہ شعبان ۱۳۴۱ھ]

حالانکہ یہ امام اہل سنت کا ابتدائی دور تھا جس میں وہ ایک دینی مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت دین کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ باوجود خلوت نشین بزرگ ہونے کے حضرت تھانویؒ قادیانیوں اور شیعوں سے عدم اشتراک کی تاکید فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ:

> ''امادہ سے خط آیا کہ حضور جلسے میں ضرور شریک ہوں اور اس جلسہ میں قادیانی اور شیعہ وغیرہ بھی شریک ہوتے تھے اور خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر حضور سب کیساتھ شریک نہ ہوں تو اوروں کی تقریر کے وقت حضور کو وہاں نہیں رکھیں گے۔ حضور علیحدہ رہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ: لوگ اس قدر نہیں سمجھتے جن

مخالفین کو مدعو کیا اور مقتدائے جلسہ بنایا۔ کل کو اگر وہ اپنے عقائد سکھانے لگیں تو اس کے انسداد کا کیا طریق ہوگا؟ لوگ اس قسم کی کاروائی صرف شہرت اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔ مخالفین کا اسلامی جلسوں میں کیا کام؟ سوائے ضرر کچھ نہیں ہوتا اور اگر میں جلسے کے وقت شریک نہ ہوں تو کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ گمراہی پھیل رہی ہو اور میں اسی شہر میں حجرے میں بیٹھا رہوں۔ مولانا نے جواب یہ لکھا کہ کیا آپ میرے وعظ کا جلسہ اس کے بعد نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا کریں تو میں آسکتا ہوں۔'' [مقالات حکم:۱۵۸]

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نظر میں:

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ سے کسی نے شیعہ فرقہ کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب کو ہیں۔ ان سے دریافت کرنا چاہیے۔ [مکتوبات شیخ الاسلام:۸۵/۲]

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی استبداد سے ہندوستان کو آزاد کرنے کے لیے سیاسیات میں بھرپور قائدانہ حصہ لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے دفاع صحابہؓ کا فریضہ بہرحال انجام دیا ہے۔ اور لکھنو کی مدح صحابہ تحریک کے سلسلہ میں مدح صحابہ کے وجوب پر مدلل مضامین لکھے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب سیکرٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہ لکھنو کے نام اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''احادیث صحیحہ میں صحابہ کرامؓ کی ثناء وصفت، ان سے محبت رکھنے کی تاکید، ان کی شان میں گستاخی کی مذمت، ان کی تابعداری کرنے کا حکم، ان کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لیکچر دیتے ہوئے خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصا خلفائے راشدینؓ کی ثناء وصفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے۔ (دیکھو درمختار، شامی عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی قدم سرہ [مکتوبات امام ربانی:۲/۱۵] اس کو شعار اہل السنّت والجماعت بھی قرار دیا گیا ہے۔ الخ'' [مکتوبات شیخ الاسلام:۶۱/۳]

امام اہل سنتؒ نہ صرف ایک علامہ محقق تھے بلکہ آپ نقشبندی مجددی سلسلہ کے شیخ طریقت بھی تھے۔ آپ نے نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا شاہ عبداللہ ابو احمدؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔

امام اہل سنتؒ کی جامعیت:

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضھم (بانی ماہنامہ الفرقان بریلی (حالی لکھنو) جو ایک صالح عالم و بزرگ ہیں) نے امام اہل سنت کی وفات کے بعد الفرقان میں ایک مضمون بعنوان ''حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی، میری واقفیت اور تاثرات'' لکھا تھا جس کے بعض اقتباسات درج

ذیل ہیں:

(۱)......اکثر ناظرین کو اخبار اور دوسرے ذرائع سے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہو چکی ہو گی کہ ۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ دوشنبہ کے دن مغرب سے کچھ پہلے اہل سنت کے جلیل القدر ربانی عالم اور نقشبندی مجددی سلسلہ کے صاحب مقام اور صاحب ارشاد وشیخ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمہ اللہ نے ہماری اس دنیا سے دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۲)......اپنے وقت کے ایک مشہور صاحب لسان اور صاحب عالم اور ہفتہ وار النجم لکھنو کے ایڈیٹر کی حیثیت سے حضرت مولانا کا تذکرہ تو میں اپنے بچپن سے سنتا تھا لیکن زیارت کا اتفاق سب سے پہلے اب سے تقریباً ۳۸، ۳۹/ سال قبل (غالباً ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء) جمعیت علمائے ہند کے اجلاس منعقدہ مراد آباد میں ہوا تھا۔ اپنے تصور کے بالکل خلاف مولانا کی ہیئت اور وضع قطع دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ بالکل پرانے قسم کے سیدھے سادے علما کی وضع تھی۔ سر پر پرانے علما کا سا عمامہ جسم پر قبا اور ہاتھ میں لاٹھی نما عصا۔

(۳)......پھر اسی سال کچھ عرصہ کے بعد ایک ضرورت سے امروہہ میرا جانا ہوا۔ میں ان دونوں منطق وفلسفہ اور اصول فقہ وعلم کلام کی آخری کتابیں پڑھ رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ مولانا آج کل مدرسہ اسلامیہ چلہ (امروہہ) میں صدر مدرس ہیں۔ میں مولانا کی زیارت کے ارادہ سے نیز اس وقت سے کہ موقع ملے گا تو کسی سبق میں میں بھی شریک ہو کر استفادہ کروں گا۔ مدرسہ گیا، لیکن اس وقت اتفاق سے طب کی مشہور کتاب 'نفیسی' کا آپ کے یہاں درس ہو رہا تھا۔ میں بیٹھا تو پورے سبق میں رہا، لیکن وہ میری دلچسپی کی چیز نہیں تھی۔ البتہ یہ بات اس دن معلوم ہوئی کہ مولانا فن طب میں بھی فاضل ہیں۔

(۴)......رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد اتفاق سے تین سال میں اسی مدرسہ اسلامیہ میں مدرس رہا جس سے مولانا کا تعلق رہا تھا۔ اس مدرسہ کے اکثر کارپرداز اور ارباب انتظام چونکہ حضرت مولانا سے عقیدت وارادت کا خاص تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق کی وجہ سے مولانا نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولوی عبدالمومن صاحب فاروقی کو تعلیم کے لیے وہاں بھیج دیا تھا۔ اسی لیے سال میں دو چار مرتبہ ضرور مولانا کی تشریف آوری امروہہ میں ہوتی تھی، اور میری طبیعت کو چونکہ مولانا سے خاص مناسبت تھی اور مذاہب باطلہ اور فرقہ ہائے ضالہ کی تردید سے اس زمانہ میں راقم السطور کو بھی گہری دلچسپی تھی اور مولانا بھی انہی وجوہ سے ناچیز پر خاص الخاص عنایت وشفقت فرماتے تھے اس لیے ہر ملاقات میں ربط وتعلق بڑھتا اور گہرا ہوتا رہا۔

(۵)......''علمی رسوخ'' کے تحت لکھتے ہیں: جن لوگوں کو مولانا کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا، ان کو غالباً بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ ممدوح صرف مناظر ومصنف ہی نہیں بلکہ علمائے راسخین میں

سے تھے۔ نامور اصحاب درس کی سی ٹھوس علمی استعداد اور اپنے دائرہ میں مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس کے ساتھ قدرت نے حافظہ بے نظیر دیا تھا۔ راقم سطور نے اپنی عمر میں بہت کم حضرات ایسے قوی الحفظ دیکھے ہیں۔ سلامتی فہم کے ساتھ ذہانت و ذکاوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حصہ وافر عطا فرمایا تھا ان سب چیزوں کے جمع ہونے کی وجہ سے خالص علمی حیثیت سے بھی مولانا کا مقام بہت بلند تھا۔ علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے علم قرآن سے خاص شغف تھا۔ آپ کا سلسلہ تفسیر آیات آپ کے تدبر فی القرآن کی زندہ اور باقی رہنے والی شہادت ہے۔

(۶)......مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ: حضرت مولانا لکھنویؒ کا نماز اور قرآن کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ تعلق بالقرآن کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''دوسری قابل ذکر خصوصیت قرآن مجید کے ساتھ حضرت مولانا کا خاص شغف اور تعلق ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے چھ صاحبزادے عطا فرمائے! (جن میں سے دو کا سامنے انتقال ہو چکا ہے) (یہ دو صاحبزادے مولانا عبد الغفور صاحب مرحوم اور مولانا عبد العزیز صاحب مرحوم ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا عبد المؤمن صاحب فاروقی اور حضرت مولانا عبد السلام صاحب امام اہل سنتؒ کی حیات میں ہی آپ کے زیر سایہ دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔)

ان میں سے چار حافظ قرآن ہوئے اور دو بھائی اپنی بیماری کی وجہ سے پورا قرآن حفظ نہیں کر سکے تھے۔ اگرچہ حضرت مولانا نے اس کے لیے پوری کوشش فرمائی۔ مولانا پہلے خود حافظ نہیں تھے لیکن اب سے چند سال قبل بالکل بڑھاپے کے دور میں خود محنت کر کے حفظ کیا اور زندگی کے ان چند اخیر سالوں میں تو بس تلاوت قرآن ہی ان کا دن رات کا شغل اور وظیفہ تھا۔ گزشتہ آٹھ سال میں صبح یا شام جس وقت بھی حاضری کا اتفاق ہوا یہی دیکھا کہ قرآن مجید سامنے ہے اور اس کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ اپنے خاص اہل محبت اور نیازمندوں تک کا زیادہ آنا اور دو چار منٹ سے زیادہ بیٹھنا باعث گرانی ہونے لگا تھا۔ اس گرانی کا اظہار زبان سے تو میں نے کبھی نہیں سنا لیکن دو تین ہی منٹ کے بعد چہرے سے محسوس ہونے لگتا تھا کہ انہیں شغل تلاوت کا یہ انقطاع شاق ہو رہا ہے اور وہ منتظر ہیں کہ آنے والا رخصت ہو تو وہ اپنے شغل میں مشغول ہوں۔''

(۷)......مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا اور ایک عام اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔

ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''حضرت علی مرتضیٰؓ سابقین اولین کی بھی پہلے صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہؓ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں۔لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت۔ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''

امام اہل سنت کا خاص موضوع:

(۸)......حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں: اگرچہ حسب ضرورت مولانا نے مناظرے عیسائیوں سے بھی کیے، آریہ سماجیوں اور قادیانیوں سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے فرقہ ہائے ضالہ سے بھی۔لیکن مولانا کا خاص موضوع شیعی حملوں سے صحابہ کرامؓ اور مسلک اہل سنت کی حفاظت اور ان کا دفاع اور مذہب شیعہ کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت قائم کرنا تھا۔اور یہ وہ موضوع ہے جو ہندوستان کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملک کے اکابر علماو مصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے۔اب سے قریبا ساڑھے تین سو سال پہلے گیارہویں صدی ہجری میں تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ اور اس کے بعد بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے معاصر بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور ان کے بعد استاد الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ۔

الغرض اپنے اپنے زمانے میں ان سب ہی حضرات نے دینی اور اصلاحی کوششوں کا خاص موضوع اور ہدف (ان خاص تاریخی اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) یہی مسئلہ رہا۔[۱]

جس شخص نے اس موضوع سے متعلق ان اکابر کی کتابیں دیکھیں ہیں اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا نے اس موضوع کو اپنے ان پیشوا اکابر سے کئی گنا زیادہ نکھارا اور ایک سعادت مند پیروکار کی طرح ان کے کام کی

---

[۱] چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور رسالہ رد الرفضۃ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین وغیرہ۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تحفہ اثناعشریہ، سر الجلیل فی مسلۃ التفضیل، عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس وسیلہ النجاہ، فتاوی اور مکتوبات وغیرہ، حیدر علی کی ازالۃ الغین اور منتہی الکلام حضرت نانوتویؒ کی ہدایۃ الشیعہ، اجوبہ اربعین، مکتوب شہادت حسین اور الاسولۃ الخاملہ فی الاجوبۃ الکاملۃ۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ہدایۃ الشیعہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوریؒ کی مطرقۃ الکرامۃ اور ہدایات الرشید وغیرہ ایسی محققانہ تصانیف ہیں جن کے ذریعہ ان اکابر اسلام نے مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت کو آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت کر دیا ہے۔[خادم اہل سنت غفرلہ]

تکمیل کر کے، ان کی روحوں کو شاد اور مطمئن کیا۔ اس ناچیز کا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا کی تحقیق و تنقیح نے اس دائرے کے کئی بنیادی مسئلوں کو جو علمی اور نظری تھے۔ اور ان کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے تھے ایسا بدیہی بنا دیا کہ عامیوں کے لیے بھی ان کا سمجھنا آسان ہو گیا۔

امام التبلیغ کی شہادت:

(۹)......امام اہل سنت کے تعارف کے سلسلہ میں ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں: ''آخر میں اس دور کے ایک مسلم عارف بلکہ یقین و معرفت کے امام حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ایک ارشاد پر تاثر پر اِس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت مولانا اپنے وصال کے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنو تشریف لائے تھے اور قریبا ایک ہفتہ دار العلوم ندوۃ العلما میں قیام فرمایا تھا۔ ایک روز دار العلوم کی مسجد کے وضوخانہ میں وضو فرما رہے تھے۔ دار العلوم کے دو تین اساتذہ بھی ساتھ بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ مولانا معین اللہ صاحب ندوی (موجودہ ناظم شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء) مولانا کے بالکل سامنے بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ حضرت مولانا کی ان پر شفقت و عنایت کی خاص نظر تھی۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میاں مولوی معین اللہ! حضرت مولانا عبد الشکورؒ کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں! حضرت جانتا ہوں۔ زیارت بھی کی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ تم نہیں جانتے، پھر فرمایا: ''وہ امامِ وقت ہیں۔'' لکھنو کے اسی سفر میں ناچیز راقم سطور بھی حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ہمرکاب تھا۔ ایک صحبت میں (اَب یاد نہیں کہ کس سلسلہ میں) خود مجھ سے فرمایا کہ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں حضرت تھانویؒ کا تھا۔ (حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا وصال چند ہی روز پہلے ہو چکا تھا) الخ (ماخوذ از ماہنامہ الفرقان لکھنو و بقیدہ ۱۳۸۱ھ دور حاضر کے امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرف سے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ کو امام وقت قرار دینا ایک عظیم سند ہے۔ اور 'امام وقت' یا 'امام اہل سنت' کا مفہوم ایک ہی ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام اہل سنتؒ نے اپنی تمام تر توجہ ان دو مسئلوں کی طرف مبذول کی ہے:

(۱)......عقیدہ امامت (۲)......عقیدہ تحریف قرآن

عقیدہ امامت اور خمینی:

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ میں اُصول دین تین ہیں۔ جن کی تعلیم پیغمبر علیہ السلام نے اپنی اپنی

امت کو دی ہے۔ یعنی توحید، نبوت، قیامت اور قرآن مجید میں بار بار انہی تین اصولوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔
لیکن شیعہ مذہب میں اصول دین پانچ ہیں: توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت۔ اور اُن کی ہر دینی کتاب میں انہی پانچ اصولوں کا تذکرہ ہے۔

(۱)......ملاحظہ ہو (تحفۃ العوام مطبوعہ لکھنو: حصہ اول، ص:۳)

(۲)......جدید مستند شیعہ نماز۔ ناشر کُتب خانہ شاہ نجف اندرون موچی دروازہ لاہور ص ۸

(۳)...... مذہب اثنا عشری کے لیے دینیات کی پہلی کتاب، مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور۔
اس کتاب کے صفحہ ۱۶ / پر لکھا ہے: دین کی جڑیں پانچ ہیں۔ اول توحید یعنی اللہ ایک ہے، دوسری عدل، اللہ عادل ہے۔ تیسری نبوت، محمد ﷺ اس کا نبی ہے۔ چوتھی امامت، امام بارہ ہیں۔ نبی کے بعد ان کا مرتبہ افضل ہے اور پانچویں قیامت، جو خدا کو وحدہ لاشریک اور عادل نہ جانے، محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا نبی نہ سمجھے۔ بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہو اور قیامت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ وہ کافر ہے مسلمان نہیں۔ یہ کتاب ۱۹۲۷ء کی تصنیف ہے اور اس پر شیعہ مجتہد سید علی الحائری اور شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری نے تقریظیں لکھی ہیں۔

(۴)......بھٹو دور حکومت میں سرکاری سکولوں کے لیے جو شیعہ نصاب منظور ہوا تھا اس کی کتاب اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم و دہم (شیعہ طلبہ کے لئے) حصہ دوم ص ۴۶ / پر اصول دین کے تحت لکھا ہے۔ دین کی جڑیں پانچ ہیں: توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت۔

دور حاضر میں ایران کے انقلابی سربراہ خمینی صاحب کا بھی امامت کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو تمام شیعہ اثنا عشریہ کا ہے چنانچہ:

(۱)......خمینی صاحب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی نامزد امامت و خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں: خدا تعالی نے جبریل کے ذریعے آنحضرت ﷺ پر لازم و واجب قرار دیا کہ یہیں وسط بیابان میں امر خلافت کا تعین کریں۔ رسول اکرم نے قانون کے حکم سے اور قانون کی اتباع میں حضرت امیر کو خلافت کے لیے متعین فرمایا، نہ اس لیے کہ وہ آپ کے داماد تھے یا انہوں نے خدمات انجام دی تھیں بلکہ آپ حکم و قانون کے مامور تھے۔

[حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ ص ۳۴ ناشر کتب خانہ شاہ نجف، اندرون موچی دروازہ لاہور، ص:۸]

(۲)......خمینی صاحب کی ایک تصنیف کشف اسرار ہے۔ اس میں لکھتے ہیں: امامت یک اصل مسلم است کہ خدا آں را در قرآن ذکر کردہ۔ ص ۱۴۰ / یعنی امامت ایک اصلی مسلمہ اصول دین میں سے ہے

جس کا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے۔

(۳)......کشف اسرار ص ۱۴۱ ر پر خمینی صاحب نے اہل السنۃ اور اہل تشیع کے ابتدائی اُصولی اختلاف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: شیعیان بعد از گز شتن پیغمبر اسلام باسُنیاں دریں دو موضوع کہ حکم ہر دورا از خرد گرفتیم۔ مخالفت و ھشتند در روز ھائے اول بزرگان از اصحاب پیغمبر کہ تمام اسلامیان آنہا را بہ بزرگی یاد کردند واحدی دربارہ آنہا چیزے نگفتہ کہ دامن پاك آنہاراآلودہ کند۔ چوں امیرالمومنین علی بن ابی طالب و حسن و حسین و سلیمان وابی زر و مقداد و عمار و عباس ابن عباس و اشال آنہا برخلاف برخاستند و خوستند کہ گفتہ خداد پیغمبر داور باب اولو الامر اجراء کنند۔ لکن و سننہ بندیھا کہ از اول پیدائش بشر تاکنوں حکم خردمنداں را فلج کردہ و طمعو ھو سھا کہ درھرزماں حق و حقیقت را پائمال کردہ آں روز نیز کارخود راکردوشھادت تواریخ معتبرہ اینا بکار وقت پیغمبر مشغول بودند کہ جلسہ ثقیفہ ابوبکر رابحکومت انتخاب کرددایں دودستہ بود۔ شیعیان کہ پیروانِ علی ھستندمی گویند کہ امامت رابایدخدا تعین کندبحکم خرد۔ و خلفاء وسلاطین لائق آں نیستند۔ وعلی و اولاد معصومین او اولی الامر اندکہ خلاف گفتھائے خدا ھیچ گاہ نگفتہ و نگویندداایں نیز بتعیین پیغمبر اسلام است چنانچہ پس ازیں ذکر آں می شود و ثابت می کنم کہ پیغمبر اسلام تعین امام کردہ وآں علی بن ابی طالب است:

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ان ہر دو موضوع میں (جن کا تعلق امامت سے ہے) جن کا حکم ہم نے عقل سے دریافت کیا ہے شیعہ روز اول سے ہی سنیوں سے مخالفت رکھتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے وہ بزرگ اصحاب جن کو تمام مسلمان بزرگ تسلیم کرتے تھے اور کسی ایک نے بھی ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ان کے پاک دامن کو آلودہ کرے مثلاً امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، حسن، حسین، سلمان فارسی، ابوذر غفاری مقداد، عمار بن یاسر، عباس، ابن عباس، وغیرہ مخالفت میں اٹھے، اورانہوں نے مطالبہ کیا کہ اولی الامر کے بارے میں خدا اور پیغمبر کا فرمان جاری کریں لیکن گروہ بندیوں نے کہ انسان کی پیدائش کے روز اول سے ہی عقلمندوں کے حکم کو مفلوج کیا ہے اور طمع اور ہوس نے کہ ہر زمانہ میں حق اور حقیقت کو پامال کیا ہے اس دن بھی اپنا کام کیا اور معتبر تواریخ کی شہادت ہے کہ یہ مذکورہ بزرگ اصحاب جب پیغمبر علیہ السلام کے دفن کے کام میں مشغول تھے سقیفہ کے اجلاس نے ابوبکر کو حکومت کے لئے منتخب کرلیا اور اسی دن اس ٹیڑھی

اینٹ کی بنیاد رکھی گئی۔ اسلام کے دور اول کے بعد پھر ان دونوں (سنی شیعہ) گروہوں کے درمیان یہ گفتگو جاری رہی ہے۔ شیعہ کہ حضرت علی کے پیرو ہیں یہ کہتے ہیں کہ عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ امام کا تعین خدا کے ذمہ ہے اور خلفاء اور سلاطین اس کے لائق نہیں ہیں۔ اور علیؓ اور ان کی معصوم اولاد ہی اولی الامر ہیں (الخ)

حضرت علی المرتضیٰؓ کی امامت کی بنیاد پر خمینی صاحب نے اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو مخالف قرآن قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک عنون ہی یہ رکھا ہے ''مخالفتہائے ابوبکرؓ با نص قرآن''۔ اس کے بعد یہ عنوان ہے ''مخالفت عمرؓ با قرآن خدا''۔ خمینی صاحب کی مزید عبارتیں اور انکے عقائد کی تفصیل میری کتاب ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقیدہ تحریف قرآن:

اس بحث کو بھی حضرت امام اہل سنتؒ نے دلائل و براہین کے ساتھ لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں: تنبیہ الحائرین وغیرہ۔

(۲)......ایک شیعہ مجتہد علامہ حسین بن محمد تقی النوری نے تو تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب''

(۳)......پاکستان کے ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن میں بارہ اماموں کے نام پہلے مذکور تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں تو خداوند عالم نے ائمہ کے اسمائے گرامی صراحتاً قرآن میں کیوں نہ ذکر کردیئے تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہوجاتا۔ اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہوجاتے''۔ اس اعتراض کا الزامی جواب دینے کے بعد تحقیقی جواب یہ دیتے ہیں کہ: فریقین کی روایات کے مطابق ائمہ اطہار کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت ان کو حذف کردیا۔ چنانچہ ہماری تفسیر صافی ص۹ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ فرمایا: لو قری القرآن کما انزل لا لفیتمونا مسمیین۔ اگر قرآن کو اس طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمیں نام بنام موجود پاتے۔ [کتاب اثبات الامامت طبع دوم، ص:۳۱۲]

قرآن کی خلافت راشدہ موعودہ:

شیعہ مذہب میں منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے اور ان کے بارہ امام بذریعہ وحی قیامت تک کے لیے نامزد کیے گئے ہیں اور یہ امام انبیاء سابقین علیہ السلام سے افضل ہیں۔ (العیاذ باللہ) لیکن یہ عقیدہ امامت بالکل بے بنیاد ہے جس کا موجودہ قرآن سے ثبوت نہیں مل سکتا۔ البتہ مذہب اہل السنۃ

والجماعۃ میں گو مسئلہ خلافت کا تعلق فروع دین سے ہے لیکن خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک پیشن گوئی اور وعدہ خداوندی کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے اس پہلو سے خلفائے اربعہ کی خلافت کی بعد از نبوت اصول دین میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

دریں زمانہ بدعت تشیع آشکار شد و نفوس عوام الشبہات ایشاں متشرب گشت و اکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین شکوک بہم رسانیدند۔ لاجرم نور توفیق الہی دردل ایں بندہ ضعیف علمے رامشروح و مبسوط گردانیدتا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ خلافت ایں بزرگاراں اصلی ست انہ اصول دین تاوقیتکہ ایں اصل را محکم نگیر ند، ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود الخ۔

اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہوگئی ہے اور عام لوگوں کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہوگئے ہیں۔ اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا توفیق الٰہی کی روشنی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصول دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہوگا۔

[ازالۃ الخفاء:۸/۱، ترجمہ امام اہل سنت مولانا لکھنویؒ]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خلفائے اربعہ کی خلافت کو سورۃ النور رکوع ۷/ کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج رکوع ۶/ کی آیت تمکین سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: نکتہ دیگر بفہمی و آں آنست کہ دو آیت آیت استخلاف و آیت تمکین دریک قصہ است مقصود واحد است و تعبیر مختلف الخ۔ ایک اور نکتہ بھی سمجھ لو وہ یہ کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین ایک ہی بات بیان کر رہی ہیں۔ مقصود دونوں کا ایک ہے عبارت مختلف ہے۔ الخ [ازالۃ الخفاء، مترجم:۹۰/۱]

فارسی ترجمہ قرآن مسمیٰ بہ فتح الرحمٰن کے حاشیہ پر آیت استخلاف کے تحت حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: از حدیث آمدہ است الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ واللہ اعلم (حدیث میں آیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔ واللہ اعلم) چونکہ تیس سالہ خلافت کا مصداق حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت بھی ہے اس کے لیے حضرت شاہ صاحب کے نزدیک آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں۔

☆......☆......☆......☆

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی [مدیر: ماہنامہ دارالعلوم]

علاماتِ قیامت' موجودہ فتنے......اور......اہل علم کی ذمہ داری

قیامت کس وقت آئے گی، اور اس عالم دنیا کی کلّی شکست وریخت کب ہوگی، خالق کائنات جلّ ذکرہ نے اس کے حتمی اور واقعی علم سے ملک مقرب ونبیِ مرسل کسی کو بھی واقف اور باخبر نہیں کیا ہے، اسی بناء پر حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے جب نبیِ عظیم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عرض کیا "فاخبرنی الساعة" و فی روایة "متی الساعة" مجھے اس کے قیام ووقوع کے بارے میں بتایئے، تو ان کے جواب میں فرمایا "ما المسئول عنها بأعلم من السائل" جس سے قیام قیامت کے وقت کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، اسے پوچھنے والے سے زیادہ اس کا علم نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت آنے کے متعین ومقرر وقت کے نہ جاننے میں ہم دونوں برابر ہیں؛ کیونکہ یہ تو مفاتیح غیب میں سے ہے جسے خدائے علیم وخبیر کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؛ البتہ ربّ العالمین نے اپنے نبیِ آخرالزماں کو اس کی بہت ساری علامتوں اور نشانیوں سے آگاہ کردیا تھا، جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منشائے خداوندی کے مطابق دیگر وحی الٰہی کی طرح پورے جزم ویقین کے ساتھ امت تک پہنچادیا، لہٰذا وہ واقعات واحوال جو مقدماتِ قیامت کے طور پر اپنے وقت پر عالم میں ظہور پذیر ہوں گے، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وقوع سے پہلے ہی بیان فرمادیے ہیں تاکہ امت کا ہر طبقہ قیامت سے ڈرتا رہے اور اس کے آنے سے پہلے ہی سے اعمال صالحہ کے ذریعہ اس دن کے بے مثال ہولناکیوں اور ہلاکت خیزیوں سے بچاؤ کا سامان فراہم کرلے۔

نبی صادق ومصدوق کی بیان کردہ یہ پیشین گوئیاں بھی از قبیل معجزات ودلائل نبوت میں سے ہیں، اور دیگر معجزات نبوی کی طرح ان کا تعلق بھی ایمانیات ہی سے ہے، چونکہ علامات قیامت سے متعلق اکثر احادیث خبر آحاد ہی کی زمرہ کی ہیں اس لیے بعض فریب خوردۂ عقل یہ خیال کربیٹھے کہ اس صورت میں انھیں ایمانیات کی صف میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، فریب عقل میں گرفتار یہ لوگ اگر لفظ ''نبی'' پر ادنیٰ طور ہی سے غور کرلیتے تو ان پر یہ حقیقت صبح روشن کی طرح عیاں ہوجاتی کہ نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی بیان کردہ یہ پیشین گوئیاں بابِ نبوت کا جزء لازمی ہیں؛ کیونکہ عربی زبان میں ''النبی'' کا مفہوم ہی یہ ہے کہ بارگاہ عالم الغیب والشہادۃ سے دستیاب خبروں کو دوسروں تک پہنچانے والا، تو ایمان بالنبوت سے اس کے جزء لازمی کو کیوں کر جدا اور الگ کیا جاسکتا ہے، پھر اس مسئلہ میں یہ تاریخی حقیقت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ

پورے عہد صحابہ میں اس بات کی ایک مثال بھی نہیں ملتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی پیش گوئیوں اور آپ کے دیگر اقوال پر ایمان ویقین میں سر موفرق کیا ہو؛ بلکہ صحیح و سچی بات یہی ہے کہ دربار رسالت علی صاحبہا الصلاۃ و السلام سے جو چیز بھی لائق اعتماد اور قابل بھروسہ طریقہ پر ہم تک پہنچ جائے امت پر اس کا قبول کرنا اور ماننا لازم ہے، خواہ اس کا تعلق باب عقائد سے ہو یا احکام ومسائل سے، رہا بعض پیشین گوئیوں میں اجمال وابہام کا معاملہ تو اصل بات یہ ہے کہ جن احادیث و پیشین گوئیوں میں ہمیں ابہام واجمال نظر آتا ہے، وہ سب ان کے صحیح عہد اور سچے مصداق کے ظہور سے پہلے پہلے ہی نظر آتا ہے، جس وقت یہ پیشین گوئیاں مستقبل کے غیب اور پردے سے حال کی روشنی اور اجالے میں نمایاں ہوتی ہیں تو پھر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ زبان نبوت سے ان کی خبر دینے کے وقت جو الفاظ نکلے تھے وہ صحیح اور واقعی صورت کے بیان کرنے میں اس قدر واضح اور مطابق واقعہ تھے کہ ان سے زیادہ الفاظ کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی؛ بلکہ اس کے وقوع سے قبل از وقت زیادہ لفظی وضاحت سے مفہوم ومراد کے سمجھنے میں الجھاؤ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

آپ کی بیان کردہ قیامت کی ان نشانیوں کو محقق برزنجی نے اس موضوع پر اپنی وقیع ترین کتاب ''الاشاعة لاشراط الساعة'' کو درج ذیل میں تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱)......علامات بعیدہ: جن کا ظہور ایام گزشتہ میں ہو چکا ہے۔

(۲)......جن کے وقوع کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔

(۳)......درمیانی علامتوں کے سلسلہ کی تکمیل کے بعد تیسری اور آخری علامتوں کا ظہور ہوگا۔

یہ عظیم ترین اور قریبی علامتیں ایک کے بعد دوسری یوں واقع اور ظاہر ہوں گی جیسے ہار کی لڑی کا دھاگا ٹوٹ جانے کے بعد اس کی موتیاں یکے بعد دیگرے سلسلہ وار گرتی ہیں، ان کے پورے ہوتے ہی قیامت آجائے گی۔

ان عظیم علامتوں میں سب سے پہلے امام مہدی کا ظہور ہوگا، اس کے بعد کی علامتوں کے ظہور کی ترتیب امام بیہقی نے اپنے شیخ امام حاکم کے حوالہ سے یوں بیان کی ہے: (۱) خروج دجال، (۲) نزول عیسیٰ علیہ السلام، (۳) ورود یاجوج ماجوج، (۴) خروج دابۃ، (۵) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، امام حاکم سے ایک روایت میں طلوع شمس من مغربها کے بعد خروج دابہ کو بیان کیا گیا ہے۔

ان ساری علامتوں میں ظہور مہدی اور خروج دجال سے متعلق احادیث اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔

ان روایتوں میں اجمال وتفصیل، وغیرہ کا باہم اختلاف بھی ہے؛ چونکہ اس سلسلہ کی احادیث مختلف

اوقات میں مختلف صحابہ سے روایت ہوئی ہیں اور ہر مجلس میں آپ نے اس وقت کے مناسب اور حسب ضرورت تفصیلات بیان فرمائیں، اس لیے یہ اختلاف ناگزیر ہے، پھر یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ ان تفصیلات کے براہ راست ہر سننے والوں کو ان سب کا علم ہو، بہت ممکن ہے کہ جس صحابی نے ایک مجلس میں یہ حدیث سنی اس کو دوسری مجلس میں بیان ہوئی روایت کے سننے کا موقع میسر نہ آیا ہو جس کو اس دوسری مجلس میں موجود صحابی نے سنا ہے، اس صورت میں بھی دونوں راویوں کی بیان کردہ روایت میں کمی وزیادتی وغیرہ کا اختلاف لازمی ہے۔اب بعد میں آنے والی امت کے سامنے چونکہ ہر دو بیانات موجود ہوتے ہیں اس لیے اس کا یہ علمی فریضہ ہے کہ وہ ان میں تطبیق کی راہ نکالے، نہ کہ اس سلسلہ کی مستقیم الاسناد اور اصول محدثین وفقہاء کے مطابق مقبول معتبر احادیث کو ان جزوی اور لفظی اختلاف کی بناء پر ضعیف یا موضوع قرار دے دیا جائے۔ احادیث میں اس قسم کے اختلاف کی صورت میں علمائے حق کا یہی عملی تسلسل ہے اس راہ معروف کو چھوڑ کر اس سلسلہ میں کوئی نئی راہ پیدا کرنا اور محض اپنے علم وعقل پر بے جا اعتماد کر کے سلف وخلف کے پسندیدہ طریقہ کو پس انداز کر دینا یہ ایک ایسی جسارت ہے جسے علمی ودینی حلقہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

آج کل بعض حلقوں سے ان احادیث کے سلسلہ میں اسی ناپسندیدہ جسارت کا اظہار ہو رہا ہے، جسے عصر حاضر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ ہی کہا جائے گا، اہل علم کی علمی ذمہ داری ہے کہ اس فتنہ کے سر اٹھانے سے پہلے اس کی سرکوبی کی فکر کریں۔(بشکریہ: ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند) ☆☆

حضرت شیخ الہندؒ نے کسی شیعہ کو تحریک میں شامل نہیں کیا

ہماری مذہبی جماعتیں شروع سے لے کر آج تک باطل فرقوں کی محتاج اور تابع بنی ہوئی ہیں، ان حضرات کی اس غلط روش کی وجہ سے باطل فرقوں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔شیعوں کی مثال لے لیں ان کی قیادت تو اتحاد کا حصہ بن جاتی ہے اور ہمارے اسٹیج پر آ کر تقاریر کرتی رہتی ہے اور ہمیں اتحاد کا سبق دیتی ہے، لیکن عملی طور پر پورے پاکستان میں شیعہ عوام کی ہمدردیاں اور ووٹ ہمیشہ اتحاد کے مخالف دھڑے پیپلز پارٹی کو ہی ملتے ہیں تو ایسے افراد کو اتحاد میں شامل کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ ہمارے اکابر کا اِس سلسلہ میں کردار بڑا واضح ہے، جس کی گواہی انگریز کی سی آئی ڈی کی رپورٹ نے بھی دی ہے، جو انگریزوں نے خود شائع کی ہے، آج بھی یہ ریکارڈ ''انڈیا آفس، لندن'' میں موجود ہے۔اس رپورٹ میں لکھا ہوا ہے:

''قابل توجہ یہ بات ہے کہ اس تحریک میں اُنھوں نے (شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے) ہندوؤں اور سکھوں پر تو اعتماد کر کے اُنھیں اپنی اِس تحریک میں شامل کیا ہے، لیکن کسی بھی شیعہ کو اِس تحریک میں شامل نہیں کیا گیا۔'' [حسین یادیں: ۲۰۷]

مولانا قاضی نثار احمد [مہتمم: جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت، امیر: تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ گلگت، بلتستان]

حجیت حدیث اور غامدی

یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دین اسلام کی بنیاد ہمیشہ سے دو چیزوں یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول پر قائم رہی ہے، عقلی طور پر بھی حدیث کو حجت مانے بغیر دین پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآن میں تو ہر چیز کا اجمالاً تذکرہ ہے جس کی تفصیل اور تشریح حدیث میں ہے اس لئے پوری امت محمدیہ دین میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ سلم کو حجت مانتی اور اپنے قول وفعل میں اس سے استدلال کرتی چلی آئی ہے۔۔ مگر ماضی قریب میں انکار حدیث کا ایک فتنہ برپا ہوا جس کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ حدیث رسول سے آزاد رہ کر قرآنی آیات کی من مانی تشریح کرتے ہوئے دین اسلام کی بنیاد کو کمزور اور متزلزل کر دیا جائے، حرام کو حلال، ناجائز کو جائز قرار دیتے ہوئے نفسانی خواہشات کی پیروی میں تمام رکاوٹوں کو ختم کیا جاسکے۔اس فتنے کے آج کل جناب غامدی صاحب بھی ایک داعی بن کر ابھرے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ حجیت حدیث کا انکار کرتے ہوئے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ سننے اور دیکھنے والوں پر چھوڑ دیا کہ چاہیں تو انہیں آگے پہنچادیں اور چاہیں تو نہ پہنچائیں اس لئے ان کے خیال میں حدیث کی وجہ سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔(میزان، ص:۱۵، طبع ۲۰۱۴ء) یہ وہ بے بنیاد دلیل ہے جس کو مان لینے کی صورت میں یہ اعتراض بجا طور پر اٹھتا ہے کہ اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت واہمیت نہ تھی تو پھر قرآن کریم میں جابجا ''اطیعوا اللہ'' کے ساتھ ''واطیعوا الرسول'' کے لفظ کو اہتمام کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے، نیز درجنوں ان قرآنی آیات کا کیا مطلب ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع پر زور دیا گیا ہے اور اعراض کو عدم ایمان اور جہنم میں دخول کا سبب بتایا گیا ہے؟ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) یعنی تمہارے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

۲۔) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ (الانفال:۲۴) یعنی اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

۳۔مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء:۸۰) کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے

اللہ کی اطاعت کی۔

۴۔فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء:۵۹) یعنی اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو جس چیز پر تم جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو۔

۵۔وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر:۷) یعنی جو کچھ رسول آپ کے پاس لے کر آئیں تو اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

۶۔وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى . إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (النجم:۳) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشات سے کچھ نہیں بتاتے بلکہ یہ خالص وحی ہے جو آپ کی طرف کی گئی ہے۔

۷۔فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور ۶۳) یعنی جو لوگ رسول کی حکم کی نافرمانی کریں ان کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

۸۔وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (النور:۵۴) کہ تم اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

۹۔وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل:۴۴) اور ہم نے آپ پر قرآن کریم کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تشریح فرمائیں اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔

۱۰۔لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (آل عمران:۱۶۴) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا جب انہیں میں سے ایک رسول کو ان میں بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور کتاب اور حکمت کی باتیں ان کو سکھاتے ہیں، بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

درج بالا چند قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں پر نبی کریم صلی اللہ کی اطاعت فرض ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے تزکیہ کرنے والے اور قرآن کی تشریح اور تفہیم کے معلم بھی تھے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت نہ ہو تو قرآن کریم کی تشریح اور تفہیم کا کیا طریقہ رہ جاتا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے اجمالی احکام کی تفصیل وتشریح نہیں فرماتے تھے؟ اگر فرماتے تھے تو کیا یہ تشریح خود قرآن سے ہوتی تھی یا اپنے افعال اور احادیث سے بھی؟ اگر اپنے افعال اور احادیث سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے تو حدیث کا حجت نہ ہونا چہ معنی دارد؟ اگر حدیث کی

حجیت کا انکار کیا جائے تو نماز کی رکعات، اور طریقہ کار، نماز جنازہ کا ثبوت، زکوۃ اور حج کے تفصیلی احکام قرآن کریم میں کہاں ہیں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم اور مزکی ہونے کا کیا مطلب ہوگا؟ خبر واحد کے ظنی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی اور یقینی ہے اس طرح کا یقینی علم احادیث سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں کیونکہ حدیث میں روایت بالمعنی بھی جائز ہے اور خبر واحد میں تواتر کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے عقلا احتمال خطاء موجود ہوتا ہے مگر یہ احتمال خطا شرعا اس لئے موجود نہیں کہ شریعت نے بعض معاملات میں ایک آدمی، بعض میں دو آدمیوں اور بعض میں دو سے زیادہ آدمیوں کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے اور اس طرح کی گواہی تمام احادیث میں رواۃ کی صورت میں موجود ہے۔ اس لئے شریعت نے یہاں ظن غالب کو یقین کا درجہ دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ ان عقلی وجوہات اور قرآن کریم کے واضح نصوص کے ہوتے ہوئے بھی صرف غامدی جیسے چند بدبخت منکرین حدیث ہی یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ حدیث رسول حجت نہیں۔

قرآن کریم کے علاوہ درجنوں احادیث بھی حجیت حدیث پر شاہد ہیں مگر چونکہ غامدی صاحب حدیث کے حجیت کے منکر ہیں اس لئے اصولاً ان کے موقف کی تردید اور اپنے موقف کے اثبات کے لئے حدیث کو پیش کرنا ٹھیک نہیں مگر چونکہ ہمارا حدیث سے یہاں اصل مقصود مذکورہ بالا قرآنی آیات کی تائید ہے اس لئے ذیل میں صرف دو احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے جو نہ صرف حجیت حدیث کی واضح شاہد ہیں بلکہ اس سے انکار حدیث کے فتنے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے:

۱۔ ''وعن المقدام بن معد يكرب -رضي الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه، ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول :عليكم بهذا القرآن، فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، وإن ما حرم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كما حرم الله؛ ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي، ولا كل ذي ناب من السباع ولا لقطة معاهد إلا أن يستغني عنها صاحبها.........، رواه ابوداود، وروى الدارمي نحوه وكذا ابن ماجه الى قوله : كما حرم الله۔''
(مشكاة المصابيح مع المرقاة:۲۴۶/۱،باب الاعتصام بالقرآن والسنة، دارالفكر بيروت)

یعنی حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھ پر قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ قریب ہے کہ پیٹ بھرا ہوا (ناز ونعم میں پلا ہوا) کوئی شخص ٹیک لگاتے ہوئے یہ کہے گا کہ صرف اسی قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو (حدیث کی ضرورت نہیں) جو کچھ اس قرآن میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ تم اس قرآن میں حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو۔ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام بیان کیا ہے وہ اللہ کے حرام کردہ کی

طرح ہے اور سنو کہ پالتو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں ہے......... ''

۲۔''عن العرباض بن سارية السلمي قال نزلنا مع النبي -صلى الله عليه وسلم- خيبر.....ثم صلى بهم النبي -صلى الله عليه وسلم -ثم قام فقال أيحسب أحدكم متكئا على أريكته قد يظن أن الله لم يحرم شيئا إلا ما في هذا القرآن ألا وإني والله قد وعظت وأمرت ونهيت عن أشياء إنها لمثل القرآن أو أكثر......''

(سنن ابی داود:۱۳۵/۳،باب فی تعشیر اهل الذمة،دارالکتاب العربی بیروت)

یعنی عرباض بن ساریہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ........آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی یہ سمجھے گا کہ جو اللہ نے اس قرآن میں حرام کر دیا ہے صرف وہی حرام ہیں؟ سنو کہ اللہ کی قسم میں نے جو نصیحت کی ہے جو اوامر اور نواہی ارشاد فرمائے ہیں ہیں وہ قرآن جتنے یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔''

غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ سننے اور دیکھنے والوں پر چھوڑ دیا کہ چاہیں تو انہیں آگے پہنچا دیں اور چاہیں تو نہ پہنچائیں، لہٰذا احادیث قابل اعتبار نہیں ، بالکل غلط ہے۔ اگرچہ شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ قرآن ابھی ابھی نازل ہو رہا تھا، قرآن کی کتابت بھی ہو رہی تھی اور عرب ابھی تک قرآن کریم کے اسلوب سے مکمل طور پر مانوس نہی ہوئے تھے اس لیے یہ خدشہ تھا کہ حدیث کا قرآن سے التباس نہ ہو جائے۔ بعد میں جب یہ خدشہ جاتا رہا تو نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی گئی اور لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا بلکہ اس کی اشاعت اور تبلیغ کی ترغیب بھی دی گئی۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطبہ دیا تو ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اکتبوا لابی فلان '' کہ ابوشاہ یمنیؓ کے لئے لکھ لو۔ [بخاری:۲۱/۱]۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ احادیث انہی کو یاد تھیں سواء حضرت عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ [بخاری:۲۲/۱]۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم آپ سے کئی احادیث سنتے ہیں جو بعد میں یاد نہیں رہتیں تو کیا ان کو ہم نہ لکھ لیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں! لکھ لیا کرو۔ [مسند احمد:۲۱۵/۲] ترمذی کی حدیث ہے:

''عن أبى هريرة :قال كان رجل من الأنصار يجلس إلى النبى صلى الله عليه و سلم فيسمع من النبى صلى الله عليه و سلم الحديث فيعجبه ولا يحفظه فشكا ذلك إلى النبى صلى الله عليه و سلم فقال يا رسول الله إنى أسمع منك الحديث فيعجبنى ولا أحفظه فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم استعن بيمينك وأومأ بيده للخط''

[سنن الترمذی:۲۹/۵، دار احیاء التراث العربی بیروت]

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لینے کا حکم دیتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے لکھنے کا حکم دیا۔خطبہ حجۃ الوداع کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی اشاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ''لیبلغ الشاهد الغائب فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه''۔یعنی حاضر غائب کو حدیث پہنچادے۔

[صحیح البخاری:۵۱/۱،باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب دارابن الکثیر بیروت]

درج بالا احادیث اور نیز'' بلغوا عني ولو آية ''جیسی حدیث کے ہوتے ہوئے کوئی مومن شخص یہ نہیں کہ سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی اشاعت اور تبلیغ کا کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ ایسی بدبختی کی جرات صرف غامدی جیسے منکرین حدیث ہی کرسکتے ہیں جنہوں نے مستشرقین کی پیروی میں انکار حدیث کی آڑ میں قرآن کریم کی صحیح تشریح اور تفصیل سے مسلمانوں کو دور رکھ کر ان کو کفر اور گمراہی کی راہ پر گامزن کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔مگر الحمد اللہ ان کی یہ کوشش نہ تو کامیاب ہوئی ہے اور نہ ہی ان شاء اللہ مستقبل میں کامیاب ہوگی۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔آمین ☆☆☆☆

صفحہ نمبر 38 کا بقیہ

ابا جی کی طبیعت میں بہت سادگی اور عاجزی تھی، بشری تقاضے کے تحت اگر کبھی خلاف مزاج بات کرتے تو اگلے بندے سے فوراً معذرت کر لیتے۔

میں اپنے والد صاحب کی بھرپور محبتوں اور شفقتوں کا برملا اعتراف کرتی ہوں کہ ہم نے نہ صرف ان کے زیرسایہ تربیت پائی بلکہ ان کے اخلاق، ان کی شفقت اور ان کے تعاون سے زندگی کے مشکل مراحل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ہنر سیکھا جو ہمارے لیے سرمایہ حیات ہے۔

دنیا سے جانے والا تو چلا جاتا ہے، جانے والوں کا ذکر خیر ہی ایسا نذرانہ ہوتا ہے جو پیچھے رہ جانے والوں کے پاس باقی بچتا ہے، جسے گاہے گاہے تذکرہ کرکے دِل بہلایا جاسکتا ہے۔ بہتے آنسوؤں اور کپکپاتے ہونٹوں سے دعا ہے کہ ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

اللہ تعالیٰ ابا جی کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے اور آخرت کی تمام منزلوں میں آسانی اور کامیابی عطا فرمائے، انہیں بغیر حساب وکتاب جنت الفردوس عطا فرمائے۔آمین یاارحم الراحمین

آخر میں محترمہ والدہ صاحبہ کی صحت وعافیت والی زندگی کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔اللہ جل شانہ ان کا سایہ شفقت تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔آمین یارب العالمین ☆☆

مولانا مفتی محمد راشد ڈسکوی

نئے تعلیمی سال کے موقع پر طلبہ ساتھیوں سے کچھ باتیں

شوال المکرّم کے مبارک مہینے سے دینی مدارس کی دو ماہ سے جاری ویرانی اور بے آبادی دور ہو کر دوبارہ رونقیں لوٹ آتی ہیں، علوم دینیہ کے حصول کے جذبات سے سرشار طلبۂ کرام میل ہا میل کے سفر کی صعوبتوں کو طے کرتے ہوئے، مشفق، محترم ومکرم والدین اور اعزہ واقرباء کی جدائی کو برداشت کرتے ہوئے، اپنے وطن میں گزرنے والے شب وروز کی سہولتوں کو ترک کر کے پردیس کی مشکلات تک کو برداشت کرنے کی نیت سے مدارس کو اپنا وطن بناتے ہیں، اپنے اساتذہ کو اپنے والدین کا قائم مقام تصور کر کے، اپنے طلبہ ساتھیوں کو اپنے بھائیوں کا درجہ دیتے ہوئے سالہا سال کا سفر طے کرتے ہیں۔

قربانیوں کے اعتبار سے امتِ مسلمہ کے اس طبقے کو دیکھا جائے تو یقیناً ان کی قربانیاں بے مثال ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن اَفراد کی قربانیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن کو چھوڑ کے یہ طبقہ آیا ہوتا ہے، مثلاً:

ان طلبہ کے ''والدین'' کی قربانی کو دیکھ لیا جائے، اولاد جیسی بھی ہو، اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، والدین کے دلوں میں پیوستہ اولاد کے بارے میں محبت کس شخص کی نظر سے مخفی ہے؟! اولاد کو کوئی تکلیف آ پہنچے، والدین کی راتوں کی نیندیں اُڑ جاتی ہیں، اولاد کی راحت کی خاطر خود بے آرام ہو جاتے ہیں، ان کی راحت کی خاطر جتنا سرمایہ لگانا پڑے، لگاتے ہیں، خود اپنے پاس نہ ہو تو قرض تک لینے سے دریغ نہیں کرتے، کسی بھی والد سے پوچھ لیں، حصولِ معاش کے لیے دن رات کی ان تھک محنت کس لیے کرتے ہو؟ تو جواب ملے گا کہ بیوی بچوں کی خاطر، ان کے مستقبل کو سنوارنے کی خاطر۔ اب جب اسی اولاد نے بڑا ہونا تھا تو اس نے اپنے والدین کا دست بازو بننا تھا، ان کے کاروبار میں ان کا معاون بننا تھا، ان کے بڑھاپے میں ان کی راحت اور سکون کا سبب بننا تھا، برسہا برس سے یہ والدین مشقتیں جھیلتے آ رہے تھے، اِس کے نتیجے میں جب اُس اولاد نے ان کا سہارا بننا تھا تو اِن بوڑھے والدین کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچنا تھی، اِن کو دو پَل سکون کے ملنے تھے، لیکن یہ والدین اپنی اولاد کی طرف سے ملنے والے ان فوائد کے حصول کی تمنا کو قربان کرتے ہیں، جس کاروبار میں اولاد کا تعاون حاصل ہونا تھا، اس کاروبار کے بوجھ کو تنہا اپنے کندھوں پر ہی اُٹھائے رکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں، ''والدہ'' اپنے دل پر سینکڑوں من وزنی پتھر رکھ کے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے سے جدا کر کے میلوں دور کے سفر پر بھیجنے کا فیصلہ کر لیتی ہے، ''بھائی'' اپنے ہم عمر، ہم سفر، ہم راز اور ہم

مزاج بھائیوں کی جدائی کو برداشت کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں، ''بہنیں'' اپنے ہر دل عزیز بھائیوں کی شفقت سے محروم رہنے کو برداشت کر لیتی ہیں، کس لیے؟! اِن سب جدائیوں کو برداشت کرنا کس لیے ہوتا ہے؟! اِس کا صاف اور سیدھا سادھا جواب یہ ہی ہے کہ اُن کا بیٹا، اُن کا لختِ جگر، اُن کا بھائی وراثت نبوی ﷺ کو اپنے سینے میں جمع کرنے والا بن جائے، اُن کا یہ عزیز صفاتِ نبویہ ﷺ اور اَخلاق وجذباتِ نبویہ ﷺ کا حامل بن جائے، وہ اُن باکمال صفات کو اپنے اندر پیدا کر لینے والا بن جائے جن کی بدولت وہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوات کی بے مثال قیادت کرنے کا اَہل بن سکے، پورے عالَم میں دین زندہ کرنے کی محنت کر سکے، معاشرے کے اندر ہر سُو پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرتے ہوئے ایک صالح اور پُر امن معاشرے کے قیام کا سبب بن سکے۔ خاندانوں کی ازلی دشمنیوں کو ختم کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر سکے، بے نمازیوں کو نمازی بنا سکے، معاشرے کی بیٹیوں کے سروں پر دوپٹہ رکھ سکے، معاشرے کی ماؤں بہنوں کی آنکھوں میں حیاء پیدا کرنے کا سبب بن سکے، اِن اور اِن جیسے بہت سارے جذبات کو اپنے اندر رکھے ہوئے معاشرے کے اَفراد اپنے عزیزوں کو مدارسِ دینیہ کی طرف بھیجتے ہیں۔

اِن بہت ساری حقیقتوں کے ہوتے ہوئے بلکہ اِن سے کہیں زیادہ قربانیوں کے ہوتے ہوئے ہمارے طلبہ ساتھی اِن سب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنا وقت گزار لیں تو کیا یہ پورے معاشرے پر ظلم نہ ہوگا؟؟!! ہوگا، بالکل ہوگا، بلکہ اس سے بھی خطرناک یہ ہوگا کہ ایسا طالبِ علم اپنے اوپر آٹھ سال گزارنے کے بعد عالِم دین کا لیبل چسپا کر کے دوسرے معصوم نوجوانوں کے علمِ دین کے حصول سے تنفُّر کا سبب بنے گا، معاشرے کے اوپر بوجھ بن جائے گا، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ عین ممکن ہے کہ ضالٌّ ومضلٌّ کا مصداق بن جائے۔

اِن سب باتوں کے سامنے ہوتے ہوئے خیال ہوا کہ عزیز طلبہ ساتھیوں کی دورانیۂ تعلیم میں کرنے والے چند اہم اور ضروری کاموں کی طرف راہنمائی کر دی جائے، شاید کہ کسی طالبِ علم ساتھی کے دل میں کوئی بات اُتر جائے اور اُس کی اتنی بہت ساری قربانیاں ٹھکانے لگ جائیں اور اُس کی زندگی سنورنے کا ذریعہ بن جائے، اللھم وفقنا لما تحب وترضٰی.

(۱)...... پہلا کام: تصحیحِ نیت

علم کی افادیت کا تعلق نیت کے صحیح ہونے یا صحیح نہ ہونے سے ہے، اگر حصولِ علم سے مقصود خدانخواستہ دنیا، حبِ جاہ ہوئی تو یہ نیت اُس طالبِ علم کو اسی دنیا میں دنیا والوں کے سامنے ذلیل کروائے گی اور آخرت میں تو ایسے شخص کو سب سے پہلے جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا، یہ علم اُس کے لیے وبالِ جان بن جائے گا، اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بات حدیثِ پاک میں مذکور ہے: ''رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ

وقَرَأَالْقُرآنَ، فأُتِيَ بِهٖ، فعَرَّفَهُ نِعمَه، فعَرَفَهَا، قال: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَال: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وعَلَّمْتُه، وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَال: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ، فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ''۔ (صحيح مسلم)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: علم کو علماء پر بڑائی جتانے، ناسمجھ عوام سے الجھنے اور مجلسیں جمانے (یعنی: لوگوں کو اپنی ذات کی طرف متوجہ کرنے) کے لیے حاصل نہ کرو، جو شخص ایسا کرے گا، اس کے لیے آگ ہے آگ۔ قال (ﷺ) : لا تعَلَّمُوا العلمَ لِتُبَاهُوْا بهٖ العلَماءَ، ولا تُمارُوا بهٖ السُّفهاءَ، ولاتَخيَّرُوا بهٖ المجالِسَ، فمَن فَعَل ذٰلك، فالنَّارُ فالنَّارُ''. (سنن ابن ماجة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، رقم الحديث: ٢٥٤)

بلکہ نیت یہ ہونی چاہیے کہ اس علم کے ذریعے پوری دنیا میں دینِ اسلام کو زندہ کروں گا، اس نیت کے کرنے والے کو اسی حالت میں موت بھی آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس طالبِ علم کا حشر اس طرح فرمائیں گے کہ اُس کے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا، آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''مَنْ جَآءَهُ الْموتُ، وهُو يطْلُبُ العِلمَ لِيُحْيِيَ بهٖ الإسلامَ، فبَينَه وبينَ الأنبياءِ فِي الجنةِ درَجَةٌ واحِدَةٌ''. (جامع بيان العلم وفضله، باب جامع في فضل العلم، رقم الحديث: ٢١٩، دار ابن الجوزي)

چناں چہ سب سے پہلا کام اپنی نیت کو ٹٹولنا اور اس کو صحیح کرنا ہے اور یہ کام بار بار کرنا ہوگا، جب بھی اپنی نیت کو بگڑا ہوا پائے اسی وقت اپنی نیت کی تصحیح کی جائے۔ ایک بات سامنے رہے، اس پہلی بات میں جو عرض کیا جا رہا ہے، وہ ہے تصحیح نیت، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر حصولِ علم کے وقت نیت ٹھیک نہ ہو تو اس حصولِ علم کو ترک نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اپنی نیت کو درست کر لینا چاہیے، اور جب تک نیت درست نہ ہو، محض نیت درست نہ ہونے کی وجہ سے ترکِ علم صحیح نہیں، کیوں کہ بزرگوں کا مقولہ ہے: ''تعلمنا العلم لغير الله، فأبىٰ العلوم إلا أن يكون لله''. **(کہ ہم نے علم غیر اللہ کے لیے پڑھا تھا، مگر وہ مانا ہی نہیں، لہٰذا وہ اللہ کا ہو کر ہی رہا) اس لیے علم کے حاصل کرنے کو ترک نہ کرے بلکہ اپنی نیت کو درست کر لے۔**

(۲)......دوسرا کام: علمی استعداد مضبوط کرنا

تصحیح نیت کے بعد جو اہم ترین کام ہے وہ اپنی علمی استعداد کو مضبوط سے مضبوط کرنا ہے، اس کے لیے پہلے دن سے ہی اپنی کمر کسنا ہوگی، مدارسِ دینیہ میں جتنے بھی علوم پڑھائے جاتے ہیں، اُن میں اپنے آپ کو اتنا ماہر اور مضبوط بنانا ضروری ہے کہ علوم کا کوئی سا بھی شعبہ ہو (صرف ونحو ہو یا منطق، علم الکلام ہو یا

فلسفہ و بلاغت، اصول فقہ ہو یا فقہ، اصول حدیث ہو یا حدیث، اصول تفسیر ہو یا تفسیر) کسی شخص کے سامنے ان علوم میں آپ کی کمزوری نہ آسکے، اور انہی علوم میں لغزش کھانے والے کوئی بھی اہلِ علم آپ کی نظر سے بچ کے نہ گزر سکے، اس استعداد کے حصول کے لیے اگر حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کا ملفوظ سامنے رکھ لیا جائے تو ان شاء اللہ وہ ہی کافی ہو جائے گا، حضرت فرمایا کرتے تھے، جو طالبِ علم تین کام کر لے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور علم کی دولت سے نواز دیں گے: مطالعہ، سبق میں توجہ سے حاضری اور تکرار۔

ان تینوں کاموں کو بہر صورت انجام دینا حصولِ علم کی کامیابی کی کنجی ہے، اِن تینوں کاموں کے بارے میں اجمالاً یہ عرض کرنا ہے کہ:

''مطالعہ'' نام ہے، معلومات کو مجہولات سے الگ کر دینے کا، یعنی: جب آپ سبق میں شریک ہونے سے پہلے کتاب کھول کے مطلوبہ سبق کا مطالعہ کریں، اُس سبق کو صرفی، نحوی اور لغوی اعتبار سے حل کریں، اُس کے ترجمے، ترکیب اور مفہوم کے سمجھنے کی کوشش کریں، اس کوشش میں جو جو کامیابی آپ کو حاصل ہو جائے، وہ ''معلومات'' کہلائیں گی، اور جو بات سمجھ میں نہ آسکے، اسے ''مجہولات'' کا نام دیا جائے گا، ''مجہولات'' آپ کے ذہن میں مستحضر ہونی ضروری ہیں، تاکہ کسی دوسرے وقت، کسی دوسرے ساتھی یا استاذ سے یا سبق میں انہیں خاص طور پر حل کیا جاسکے، مطالعہ کی اتنی کوشش ان شاء اللہ آپ کو آگے سے آگے لے جانے کا ذریعہ بنے گی۔

اس کے بعد ''سبق میں حاضری'' کا مرحلہ ہے، اس مرحلے میں بھرپور کوشش یہ ہونا ضروری ہے کہ آپ سے نہ تو کوئی سبق چھوٹنے پائے اور نہ ہی کسی سبق میں بے توجہی اور غفلت سے شریک ہوں، بلکہ سبق کی ابتداء سے انتہاء تک پوری بیدار مغزی سے شرکت ضروری ہے، اس کوشش میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ دورانِ سبق استاذ کی زبان سے جو بات بھی نکلے اُس بات کے علاوہ کوئی بات آپ کے کانوں میں داخل نہ ہو، اسی طرح آپ کی آنکھ استاذ سے ہٹ کر کسی اور طرف مشغول ہونے والی نہ ہو، نیز! دل و دماغ پوری طرح سبق میں ہی حاضر رہیں، سبق میں سامنے آنے والی باتوں کو ذہن میں محفوظ کرنے کی کوشش کی جائے، اور سبق کے بعد انہیں کاغذ پر محفوظ کر لیا جائے۔

اس کے بعد آخری مرحلہ ''تکرار'' کا ہے، سبق میں سنی ہوئی باتوں کے دُہرانے کو ''تکرار'' کہتے ہیں۔ اس مرحلے میں مطالعہ اور سبق میں رہ جانے والی کسریں نکل جاتی ہیں، تکرار کا عمل جتنے بھرپور طریقے سے مکمل ہوگا، آپ کی سبق پر گرفت اتنی ہی زیادہ ہوگی، بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جو طالبِ علم جتنا زیادہ تکرار کا ماہر ہوگا وہ اتنا ہی بہترین مدرس بن سکے گا۔ تکرار کے بارے میں تجربہ یہ ہے کہ تکرار میں بولنے والے کو جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ سننے والے کو نہیں ہوتا، اس لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تکرار کی جوڑی دو افراد کی ہو، پہلے

ایک بولے پھر دوسرا، اگر دو سے زیادہ ہوں، تو وقت کی قلت کے باعث ایک ہی بول سکے گا باقی صرف سننے والے ہوں گے، ان کے اندر اس مرحلے میں کمال حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ یہ تینوں مرحلوں کا اجمالی خاکہ تھا، ان کی طرف مزید راہنمائی متعلقہ اساتذہ سے حاصل کر کے قدم اٹھایا جائے۔

(۳)......تیسرا کام: خوشخطی اور عمدہ تحریر

زمانۂ تعلیم اور اس سے فراغت کے بعد کامیاب محنت کے لیے اس صفت کا بہت بڑا دخل ہے، خوشخطی اور عمدہ تحریر کے ذریعے ایک عالمِ دین بہتر سے بہتر انداز میں دین کی خدمت کر سکتا ہے، مدمقابل پر بذریعہ تحریر ایک اچھا تاثر چھوڑ کے اسے اپنی راہ پر لانا آسان ہو جاتا ہے، اس صفت میں ملکہ حاصل کرنے کے لیے بھی پہلے دن سے ہی محنت کرنا ضروری ہے، اگر ممکن ہو سکے تو کسی ماہر کاتب سے باقاعدہ وقت لے کر مشق کی جائے، اس صفت کے حصول کے لیے کم از کم بات یہ ہے کہ سب سے پہلے حروفِ تہجی کے مفردات کی پہچان اور اُن کی شکلوں اور صورتوں کو ذہن میں محفوظ کیا جائے اور قواعد کے مطابق ان پر گرفت مضبوط کی جائے، اس کے بعد مرکبات کی مشق کی جائے، بالخصوص تین حروف تک کے مرکبات کی پہچان ضرور کر لی جائے، یعنی: کسی بھی حرف کے استعمال کی تین صورتیں تو یقینی ہیں: وہ حرف شروع میں ہوگا، درمیان میں ہو گا، یا آخر میں آئے گا، اِن تینوں حالتوں میں اُس کی شکل اور بناوٹ کیا ہوگی، اس کو سیکھ کے مشق کر لی جائے، اس بارے میں ایک مفید صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی کاتب کا لکھا ہوا کوئی لفظ دیکھیں اُس کی بناوٹ کو ذہن میں محفوظ کر لیں اور بعد میں اس کی نقل اُتارنے کی کوشش کریں، اس طریقے سے بہت جلد آپ کی خوشخطی میں نکھار آتا چلا جائے گا۔

دوسری چیز ''عمدہ اور جاندار تحریر'' ہے۔ اپنے جذبات، احساسات، خیالات اور اپنے مافی الضمیر کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے کے لیے اچھی اور عمدہ تحریر ایک بہت ہی بہترین ذریعہ ہے، عمدہ تحریر انسان کی باطن کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اچھی تحریر میں ملکہ حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ انتہائی زود اثر رہے گا کہ جب بھی، کسی بھی صاحبِ فن یا کسی بھی ادیب یا اپنے اکابرین میں سے کسی کی تحریر کا مطالعہ کریں تو اُن کی تحریر کو اس نظر سے دیکھا کریں کہ اپنے مافی الضمیر کو قلم بند کرنے کے لیے انہوں نے کیا تعبیر اختیار کی؟! اور پھر سوچیں کہ اگر یہی بات آپ کو تحریر کرنا پڑتی تو کیا آپ کے پاس اُس طرح کے الفاظ یا تعبیر تھی یا نہیں؟! اگر نہیں تھی تو پھر اُس تعبیر کو اپنے پاس ذہن میں محفوظ کر لیں، اور وقت پر اُسے استعمال کریں، اِس طرح بہت جلد آپ کی تحریر عام وخاص میں مقبول ہوتی چلی جائے گی۔

(۴)......چوتھا کام: خطابت

اپنی بات دوسروں کے سامنے رکھنے کے لیے، دوسروں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے

سب سے مؤثر ذریعہ زبان ہے، گفتگو کے فن اور خطابت کے اسرار و رموز سیکھے بغیر معاشرے میں پیدا ہونے والے سینکڑوں برائیوں کا سدباب آسانی سے ممکن نہیں ہے، ایک اچھا خطیب اور مقرر اپنی قوتِ بیان اور زورِ بیان کے ساتھ بے حس قوموں میں حِس پیدا کرتا ہے، سوئی ہوئی اقوام کو جھنجھوڑ کر بیدار کرتا ہے، بگڑے ہوئے اَخلاق کو سنوارنا سکھلاتا ہے۔

اور یہ بدیہی بات ہے کہ ہر انسان میں قدرت کی طرف سے کچھ نہ کچھ قوتِ بیان عطا کی گئی ہوتی ہے، اب انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی اس استعداد کو مسلسل مشق کرتے ہوئے درجۂ کمال تک پہنچائے، اس مشق کے لیے ضروری ہے کہ ماہرین کے اندازِ بیان کو خوب اچھی طرح پرکھا جائے اور خوب مشق کی جائے، اپنی بات میں وزن، قوت اور اثر پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنی زبان کو سہل اور آسان کرنا ہوگا، یعنی: اپنی گفتگو میں آسان سے آسان تعبیرات، الفاظ اور اُسلوب اپنانا ہوگا، اس سے آہستہ آہستہ چہرے کے تأثرات، آواز کے اُتار چڑھاؤ اور جسم کی حرکات وسکنات پر کنٹرول حاصل ہوگا، الغرض چہرہ، آواز اور ہاتھوں کے مناسب اشارے ہماری بات میں قوت، تاثیر اور تفہیم پیدا کرتے چلے جائیں گے۔

ان صفات کے حصول کے لیے عوام سے اختلاط اور میل جول، اُن کی بات سننا اور اس کا جواب دینا، پھر اُن کو اپنی بات سمجھانا، ایک بہت ہی مفید ذریعہ ہے، اس کے لیے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ نکلنے کے زمانہ میں ان کے ساتھ خروج کرنا بھی بہت مفید رہے گا کیوں کہ جماعت میں نکل کر مختلف مزاج والے لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا پڑتا ہے، ان کے ساتھ گزرنے والے لمحات ہم کو ان صفات کے قریب سے قریب لیتے چلیں جائیں گے، اسی طرح جماعتوں میں جا کر جماعت کے مختلف اعمال میں سے کوئی نہ کوئی عمل ملتا ہی رہتا ہے۔ تو اس سے بھی اس صلاحیت میں نکھار آتا چلا جاتا ہے۔

(۵)......پانچواں کام: غیر نصابی مطالعہ

درسِ نظامی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے دینیات کے مطالعہ کو وسیع کرنا بھی ہماری ضرورت ہے، دینی مطالعہ کے ساتھ خارجی حالات سے تازہ ترین واقفیت بھی ہونی چاہیے، تاکہ اعتماد کے ساتھ پختہ اور معتمد دینی معلومات رکھتے ہوئے عوام کا سامنا کرسکیں، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے ہماری نصابی تعلیم متأثر نہ ہونے پائے، دوسری بات یہ کہ مضر کتب کا مطالعہ نہ ہو، اس کا حل یہ ہے کہ یہ مطالعہ اپنے اساتذہ کی زیرِ نگرانی ہو، ان کے مشورے سے، درجہ وار، الاہم فالاہم کے قاعدے کے مطابق تدریجاً ہو، اور سب سے اہم بات یہ کہ فرصت کے اوقات میں ہو، نہ کہ تعلیمی اوقات میں۔

(٦)......چھٹا کام: تجوید وحفظ القرآن

ہمارے وہ طلبہ ساتھی جو حافظِ قرآن نہیں ہوتے، انہیں عام طور پر دو تین مشکلات میں مبتلا دیکھا

گیا ہے، ایک تو قرآنِ حکیم حفظ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مقامات پر دشواری ہوتی ہے، نماز پڑھاتے وقت بالخصوص نمازِ فجر پڑھاتے وقت بہت دشواری محسوس کرتے ہیں، یا پھر کوئی سی بھی نماز پڑھا رہے ہوں، ان کی قرأت تجوید کے قواعد کو پورا کرنے سے قاصر نظر آتی ہے، اسی طرح ان کے بیانات اور تقاریر کے درمیان بھی قرآن پاک کی آیات کا برمحل استعمال بھرپور اعتماد سے نہیں کر پاتے، اس لیے طلبہ ساتھیوں سے یہ بھی گزارش ہے کہ اپنی اس کمی کو پورا کرنے کی ابتدا سے ہی فکر کریں، کچھ نہ کچھ قرآنِ پاک روزانہ یاد کرتے رہیں، کم از کم آخری دو تین پارے اور مشہور بڑی سورتیں تو یاد ہی کر لینی چاہییں، اور کسی ماہر فن قاری صاحب سے ضروری تجوید پڑھ کر اس کی مشق بھی کر لی جائے، اس ضمن میں خطباتِ جمعہ وعیدین اور خطباتِ نکاح بھی یاد کیے جائیں۔

(۷)......ساتویں بات: غیر تعلیمی سرگرمیاں

یہ بات ہمیشہ سامنے رکھنے کی ہے، ہم اپنے گھر بار کو جو چھوڑ کر آئے ہیں ہمارا مقصد علمِ دین حاصل کرنا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ہر ایسی سرگرمی سے بچنا نہایت ضروری ہے جو ہماری تعلیم کے لیے نقصان دہ ہو، اس میں سرفہرست امر یہ ہے کہ ہم اس زمانہ میں ہر طرح کی غیر ضروری تنظیمی وابستگی سے اپنے آپ کو کوسوں دور رکھیں، یہ وابستگیاں ہمارے تعلیمی پروگرام کے لیے سمِّ قاتل کی مانند ہیں، یہ زمانہ ہمارے لیے ایک ایک لمحے کے اعتبار سے نہایت قیمتی ہے، اس لیے اس دورانیے میں ہماری مشغولیت صرف اور صرف تعلیم کے ساتھ ہونی چاہیے، ہاں فراغت کے بعد ہمارے کرنے کے کاموں میں حسب مزاج جس کام کی طرف میلان ہو یا ضرورتِ زمانہ جس کی متقاضی ہو، اُسے اختیار کر لینا چاہیے اور ضرور اختیار کیا جائے، لیکن ابھی نہیں، ابھی تو اس تعلیم کے ساتھ عملی میدان میں تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جس کے لیے کسی تبلیغی معمولات کا اختیار کرنا نہایت سود مند ثابت ہوگا، اس لیے کہ کسی بھی عمل پر آنا اپنے ایمان کی طاقت کے بل بوتے پر ہی ممکن ہوتا ہے اور تبلیغی معمولات سے ایمانی استعداد مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے جو کہ مطلوب ومحمود ہے۔

لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سامنے رہے، یہ تبلیغی معمولات بھی ہماری تعلیمی سرگرمیوں کے اوقات میں نہ ہوں، صرف چھٹی کے اوقات میں مختصر ترین وقت میں دعوت الی اللہ، تعلیم وتعلم اور ذکر وعبادت کو سمیٹا جائے، اس کے لیے ظہر کی نماز کے بعد پڑھائی سے قبل کے آٹھ، دس منٹ، عصر سے مغرب کا وقت، عشاء کی چھٹی کا وقت استعمال کیا جائے، جمعرات اور جمعہ کی تعطیل شب جمعہ اور چوبیس گھنٹے کے خروج کے لیے استعمال کی جائے، اور سالانہ چھٹیوں میں چالیس روز کے لیے خروج کی ترتیب بنائی جائے۔

ان معمولاتِ تبلیغیہ میں لگنا درحقیقت ہمارے تعلیمی نظام کا ہی تسلسل ہے، اس لیے کہ علم سے مقصود عمل ہے، اور عمل کی بنیاد ایمان ہے، جس کے حصول کا بروقت اور بھرپور ذریعہ یہ تبلیغی نقل وحرکت ہے۔

(۸)......آٹھواں کام: اساتذۂ کرام اور طلبہ ساتھیوں کے حقوق

ایک اچھے اور باکردار طالبِ علم کے مقام کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے دل میں اپنے محسنین اساتذہ کرام کی محبت اور ادب انتہاء درجے کا ہو، اُن کی دل جوئی، خدمت اور اکرام کو اپنی سعادت سمجھیں، ان کا ادب، ان کی بات کو دھیان اور توجہ سے سنیں، اُن کی نصائح کو اپنی کامیابی کا راز سمجھ کر اپنائیں اور اُن کی خدمت کے کاموں کو تلاش کرکے پوری لگن کے ساتھ کریں، یہ سب اُمور ایک طالبِ علم کو بہت جلد ترقی کی منازل طے کروا دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اِن سب اُمور کا انجام دینا بدنیتی، مجبوری یا کسی غرضِ فاسد (مثلاً: اپنے لیے مراعات رعایتوں کے حصول) کے لیے نہ ہو، کہ یہ نیت فوائد تو درکنار تباہی اور بربادی کی طرف لے جانے والی ہے۔

ایک دوسری چیز زمانۂ تعلیم میں آپ کا اپنے طلبہ ساتھیوں کے ساتھ برتاؤ ہے، ایک مخصوص عرصے کے لیے آپ نے ایک اجتماعی ماحول میں رہنا ہے، اس ماحول میں ایک نشست آپ کی درسگاہ کے ساتھیوں کی ہے، دوسری نشست آپ کے کمرے کے ساتھیوں کی ہے، تیسری نشست عمومی طور پر پورے جامعہ کے ساتھیوں کی ہے، اِن تمام مراحل میں اگر آپ اپنے ساتھ یہ طے کرلیں گے کہ میں اپنے اِن تمام قسم کے ساتھیوں کے ہر قسم کے حقوق ادا کروں گا اور میری طرف سے کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں کسی کی کسی بھی چیز کو بغیر اجازت استعمال نہیں کروں گا تو اللہ رب العزت آپ کی اِس مبارک صفت کی وجہ سے آپ کی عزت اور احترام آپ کے تمام طلبہ ساتھیوں کے دلوں میں ڈال دیں گے، بصورتِ دیگر! جہاں آپ بے اطمینانی اور بے سکونی کا شکار ہوں گے، وہاں ہر کوئی آپ سے اس طرح دور رہنے کی کوشش کرے گا جیسے کوئی شخص کسی موذی جانور سے بچنے کی اور دور رہنے کی کوشش کرتا ہے، لوگ آپ کے شر سے بچنے کی خاطر آپ سے سلام دعا اور میل جول رکھیں گے، لیکن ان کے دل آپ کے بارے میں نفرتوں سے بھرے ہوں گے۔

ایک اچھا انسان بننے کے لیے آپ اپنے ساتھ یہ طے کرلیں کہ آپ جب بھی کسی سے ملیں تو اس طریقے اور ان اَخلاق سے ملیں کہ وہ آئندہ آپ سے ملنا پسند کرے، آپ کے پاس بیٹھنا پسند کرے، آپ کے ساتھ کچھ وقت گذارنا اپنی سعادت سمجھے تو انشاء اللہ آپ ہر دل عزیز شخصیت بنتے چلیں جائیں گے۔

(۹)......نواں کام: مدرسہ کے ضوابط اور قوانین

علم کی ترقی کے راستوں میں ایک ضروری چیز اس ادارے کے نظم و نسق اور اصول وضوابط کو پورا کرنا بھی ہے، یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ کوئی بھی ادارہ ہو، وہ بغیر اصول وضوابط کے نہیں چل سکتا اور یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ اصول وضوابط اجتماعی نظم کے درست رکھنے کے لیے ہوتے ہیں، اس لیے اپنے ادارے کے اصول وضوابط کو پورا کرنا ہماری خوشگوار زندگی کا سبب بنے گا، اس سے ہمارے اندر نکھار پیدا ہو

گا، ہماری زندگی ایک مرتب نظام کے مطابق سلجھی ہوئی گزرے گی، ہر کوئی ہم سے خوش ہوگا اور ہم سب سے خوش ہوں گے، مثلاً: اس کے لیے یہ اصول بنالیں کہ تعلیم کا وقت شروع ہوتے ہی درسگاہ میں پہنچ جانا ہے، کھانے کا وقت ہوتے ہی کھانے کے لیے چلے جانا ہے، سونے کا وقت ہوتے ہی سونے کے لیے لیٹ جانا ہے، درسگاہ ہو یا رہائشی کمرہ، اپنی باری پر خدمت اور صفائی کرنی ہے، تو یقین جانیے کہ مدرسہ کے کسی استاذ کو، حتی کہ مدرسہ کے کسی بھی کارکن کو آپ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، کوئی آپ سے تنگ نہیں ہوگا، کسی کو آپ سے کسی قسم کی کوئی شکایت ہوگی اور نہ ہی آپ کو کسی کی طرف سے کسی قسم کی ناگواری کا سامنے کرنا پڑے گا۔

(۱۰)......دسواں کام: تعلق مع اللہ اور اصلاحِ ظاہر و باطن

ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ ہماری سالہا سال کی یہ محنت اس لیے ہے کہ ہم میں سو فیصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے، لہٰذا مرشد کامل کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر کے عبادات کے ذریعے، مناجات کے ذریعے اور موقع محل کے مطابق اتباع رسول کے ذریعے ہم لحہ بہ لحہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں آگے سے آگے بڑھ سکتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسنون زندگی کا کوئی گوشہ ہم سے مخفی نہ ہو اور اسی طرح ہماری زندگی کا کوئی عمل سنتِ نبوی کے خلاف نہیں ہونا چاہیے، یہ کوشش ہماری ہر کوشش سے زیادہ قیمتی اور ضروری ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سامنے رہے، ہم اپنی مدرسہ اور مدرسہ سے باہر کی زندگی میں اپنی طرف سے عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق اور خدمتِ خلق کا ایسا نمونہ چھوڑیں کہ آپ کی مثال دے کر لوگ اپنے بچوں کی تربیت کریں، ہم اپنے مقام پر، اپنے گھروں میں، اپنے گلی محلوں میں، اپنے معاشرے میں اپنے آپ کو ایسا پیش کرنے کی کوشش کریں کہ ہمارے متعلقین واضح طور پر، کھلی آنکھوں ہمارے بارے میں یہ محسوس کریں کہ ''ہمارا یہ عزیز'' مدرسہ کی زندگی اختیار کرنے سے قبل، یا سابقہ سال میں تو (اپنی عبادات، اپنے معاملات، اپنی حسنِ معاشرت اور اپنے اخلاق میں) ترقی کے اس معیار پر نہیں تھا، جس معیار پر اب پہنچ چکا ہے۔ اس سے آپ ان شاء اللہ العزیز ایک ایسے مثالی طالبِ علم بن جائیں گے کہ لوگ آپ کی صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو اپنے کندھوں پر بٹھائیں گے، آپ کا ادب کریں گے، آپ کی بات توجہ سے سنیں گے، آپ کے مشوروں پر عمل کریں گے، آپ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں گے، اپنے فیصلوں کے لیے آپ کو حَکَم بنانا تسلیم کریں گے، آپ کی مثالیں دے کر اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کی تربیت کریں گے، آپ کو دیکھ کر اپنی اولاد کو بھی مدارس دینیہ میں داخل کروانے کا فیصلہ کریں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ رب العزت دنیا و آخرت کی سعادتیں آپ کا مقدر بنا دیں گے۔ تلك عشرة كاملة.

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین ثم آمین

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

استاذِ مکرم حضرت مولانا فیض محمد رحمہ اللہ [استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ بہاول پور]

مادرِ علمی دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور میں بندہ کو جن اساتذہ کرام سے استفادہ کی سعادت نصیب ہوئی، اُن میں ایک نمایاں نام استاذِ مکرم مولانا فیض محمد رحمہ اللہ کا ہے، جن سے ہم نے درجہ رابعہ میں درمیانی دس پاروں کا ترجمہ وتفسیر، درجہ سادسہ میں جلالین شریف کا آخری حصہ اور دورہ حدیث شریف میں سنین و مؤطین پڑھیں۔ علاوہ ازیں کنزالدقائق کا تقریری اور ہدایہ اول وغیرہ کتب کا تحریری امتحان بھی استاذِ مکرم رحمہ اللہ کو دیا۔

استاذِ مکرم (مولانا فیض محمد) رحمہ اللہ ولد احمد بخش مرحوم چنڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ تین جون انیس سو چھیالیس (03/06/1946) کو بہاول پور میں ولادت ہوئی، عصری تعلیم میٹرک تک حاصل کی، ابتدائی تعلیم بہاول پور میں ہی حاصل کی، پھر حصول علم دین کے لیے لودھراں، ملتان اور خان پور کٹورہ کے اسفار فرمائے۔ اور ۱۹۶۲-۶۳ء میں جامعہ خیرالمدارس ملتان سے سند فراغ حاصل کی۔ اور جامعہ مخزن العلوم خان پور میں حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے ہاں دورۂ تفسیر کیا۔

آپ کے ممتاز اساتذہ میں حضرت مولانا غلام فرید رحمہ اللہ (بہاول پور)، حافظ نصیرالدین رحمہ اللہ (بہاول پور)، حافظ محمد احسن رحمہ اللہ (بہاول پور)، مولانا موسیٰ رحمہ اللہ (لودھراں)، مولانا مفتی عبداللہ رحمہ اللہ (ملتان)، مولانا محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ (ملتان)، مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ (ملتان) اور حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ (خان پور) شامل ہیں۔ اور ہم کلاس احباب میں مولانا سعید الرحمٰن (بہاول پور) شامل ہیں۔ آپ کا بیعت واصلاح کا تعلق حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے ساتھ رہا۔

فراغت کے بعد ۲۸ سال پاک آرمی میں خطیب رہے، اسی دوران دو سال خمیس مشیت (سعودی عرب) میں بھی امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ دارالعلوم مدنیہ سے ابتدا ہی سے تعلق رہا، آپ کے صاحبزادے بھی دارالعلوم مدنیہ کے ہی فضلاء ہیں۔ ۱۹۸۸ء سے دارالعلوم مدنیہ میں باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا جو گذشتہ سے پیوستہ سال تک جاری رہا۔ اس کے علاوہ محلّہ کی مسجد میں امامت ودرس قرآن کی خدمات کا سلسلہ بھی تاصحت جاری رکھا۔ آپ کے معروف تلامذہ میں مولانا مفتی احمد سفیان، مولانا شیخ شفیق الرحمٰن، مولانا جمیل الرحمٰن عباسی اور مولانا حبیب الرحمٰن شامل ہیں۔

۶ ر مرتبہ حرمین کے سفر کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ موجودہ دور میں سب سے خطرناک فتنہ کسے سمجھتے ہیں تو ''فتنۂ قادیانیت'' کا نام لیا۔ اکابر اہل سنت دیو بند کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے گہری عقیدت ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتب سے استفادے کو بہت مفید قرار دیا۔ تلامذہ کے لیے نصیحت کے سوال پر فرمایا:

''اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کریں۔''

استاذِ مکرم مولانا فیض محمد رحمہ اللہ سادگی، عاجزی اور للّٰہیت کی منہ بولتی تفسیر تھے، آپؒ کی اولاد ماشاء اللہ بڑی بڑی فیکٹریوں کی مالک ہے، لیکن آپ کا رہن سہن اور طرزِ زندگی بالکل سادہ رہا، معمولی لباس زیب تن فرماتے، دیہاتی طرز کا رومال سر پر رہتا، پرانی موٹر سائیکل پر ہی آنا جانا رہا۔ رہائش بھی گاؤں میں رکھی اور مکان بھی بالکل سادہ رہا۔ مدرسہ میں اعزازی (بلا تنخواہ) پڑھاتے تھے، لیکن اس کے باوجود وقت کی پابندی اور احساس ذمہ داری مثالی تھی، ایک سال ہمارے پاس آپ کا آخری سبق تھا، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے تھے، سبق جلدی بھی ختم ہو جاتا تو درسگاہ میں تشریف فرما رہتے، اور وقت ختم ہونے پر ہی تشریف لے جاتے۔

دوران سبق کبھی کسی جگہ اشکال ہوتا یا تشنگی محسوس فرماتے تو استاذِ مکرم حضرت مولانا علی اصغر شاہ مدظلہم یا مدرسہ کے کسی اور استاذ سے (جو عمر میں آپ سے چھوٹے تھے) بلا تکلف دریافت فرمالیتے تھے۔ کبھی تو خود ہی اُن کی درسگاہ میں جا کر دروازے میں کھڑے کھڑے دریافت فرمالیتے، اور کبھی کسی سمجھدار طالب علم کو کتاب دے کر بھیج دیتے کہ اِس مقام کی تقریر پوچھ آؤ!

طلبہ سے سبق روزانہ سننے کا معمول تھا، آواز بلا تکلف بلند تھی، اور سمجھانے کا انداز بھی سہل، اس لیے گرمیوں میں پنکھوں اور جنریٹر کے شور کے باوجود طلبہ کو کبھی سبق سننے میں دقت نہ ہوتی تھی۔ قرآن پاک کا ترجمہ تو گویا ازبر تھا، کبھی کبھی نیند غالب ہوتی تو غنودگی کی کیفیت میں ہی سبق پڑھا دیا کرتے، اور ترجمہ بالکل برمحل فرماتے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ترجمہ کس قدر پختہ ہے۔ بڑھاپے اور گرمی کے باوجود نمازِ تہجد اور ایام بیض کے روزوں کی خوب پابندی کرتے تھے۔

سال بھر میں ایک مرتبہ جامعہ کے اساتذہ اور دورہ حدیث کے طلبہ کی بھرپور دعوت فرمایا کرتے تھے۔ بندہ ناچیز پر خاندانی نسبت کے باعث خصوصی شفقت رہتی تھی، جس کا اظہار گاہے گاہے فرماتے رہتے تھے۔ اس لیے بندہ کو اور برادرِ عزیز انس سلمہ کو بھی اس دعوت میں خصوصیت سے شریک فرمایا کرتے تھے۔ طلبہ کو دعوت کا پیغام بلکہ بعض اوقات صرف سن گن مل جانا کافی ہوتا ہے، لیکن آپ کسی کے ہاتھ

پیغام دینے پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، بلکہ خود اہتمام سے دعوت دیتے تھے، بلکہ ایک مرتبہ تو بندہ کو بذات خود دعوت دینے کی خاطر مدرسہ کے مرکزی دروازہ پر کافی دیر انتظار فرماتے رہے، بندہ کو علم ہوا تو دوڑتا ہوا پہنچا، فرمایا: میں نے کہا: خود کہہ دوں، تاکہ ضرور دعوت میں شریک ہو۔

طلبہ کے ساتھ خوب گھل مل کر رہتے اور بے حد شفقت سے پیش آتے تھے، طلبہ کی تکلیف پر بے چین ہو جاتے اور دعا گو رہتے تھے۔ طلبہ بھی بلا تکلف ہر قسم کی گفتگو کر لیتے تھے، سفارش کا موقع ہوتا تو طلبہ کی سفارش بھی کر دیتے تھے۔ بعض اوقات کوئی ساتھی شرارتاً کہہ دیتا کہ: استاد جی! آپ کی ایک اور شادی ہونی چاہیے۔ تو مسکراتے ہوئے فرماتے: جی ہاں! اَب عنقریب آپ میری شادی کریں گے، مجھے نہلا دھلا کر سفید کپڑے پہنا کر ڈولی میں لٹا دیں گے، پھر جنازہ پڑھنے کے بعد کندھوں پر اٹھا کر اگلے گھر چھوڑ آئیں گے۔ بس اَب تو یہی شادی باقی ہے۔

طلبہ پر از حد شفیق ہونے کے باوجود سادگی کا یہ عالم تھا کہ تین تین چار چار سال جن طلبہ کو پڑھاتے، ان میں سے اکثر کے نام بھی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ سبق سننے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک کاپی پر پوری جماعت کے طلبہ کے نام لکھ لیتے، اور ہر روز اُسی کاپی کو دیکھ کر فرماتے: ''آج فلاں سبق سنائے!'' اور اس کے نام پر کچی پنسل سے نشان لگا دیتے۔ ہمارے ہم جماعت احباب کی تعداد ۳۶ ر تھی، اس لیے جس کے نام پر نشان لگ جاتا وہ پورے ایک چلے کے لیے سبق سنانے سے ''امن'' میں ہو جاتا۔ لیکن کبھی کبھار دورانِ درس کوئی سوال پوچھ کر اچانک ہی کسی کو اشارہ کر دیتے کہ: تم بتاؤ! تو اس وقت اگلی پچھلی کسر نکل جاتی تھی۔

طلبہ اور شرارت کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، ایک ساتھی سبق سنانے سے بچنے کے لیے ایسا کرتے کہ جب بھی سبق سنانے کی نئی باری شروع ہوتی، ایک دو دن بعد استاد جی کی کاپی پر خود ہی اپنے نام کے ساتھ کچی پنسل سے نشان لگا دیتے، جو اِس بات کی علامت تھا کہ اِس باری میں یہ سبق سنا چکا ہے۔ استاذ جی کو بوجہ سادگی علم نہ ہوتا، اور یوں وہ ساتھی سبق سنانے سے بچے رہتے۔ ایک مرتبہ جس دن پچھلی باری مکمل ہوئی تو استاذ جی نے نئی باری کا آغاز اُن صاحب سے کیا، اور فرمایا کہ: آج فلاں سبق سنائے۔ اُن کی حالت دیکھنے والی تھی، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کا مصداق، ساکت جامد چپ چاپ سبق سنانے کھڑے ہو گئے، مگر جب کچھ بھی نہ سنا سکے تو استاذِ مکرم کا پارہ چڑھ گیا اور خوب خبر لی، اچھی خاصی ڈانٹ پلائی۔ جملہ احباب منہ دبا کر ہنستے تھے کہ: ''اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے'' اور ''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔''

جب کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ عمرے کا ارادہ رکھتا ہے تو فرماتے کہ انسان بڑی مشکل سے کمائی جمع کر کے عمرہ کر آتا ہے اور پھر حج کے لیے ترستا رہتا ہے، اِس لیے ابتدا ہی سے حج کی کوشش کرنی چاہیے۔ بار ہا بندہ کو مخاطب کر کے فرمایا: حمزہ! حج کی کوشش کرو حج کی۔ اپنے بارے میں فرماتے کہ: میں اہلیہ

کے بغیر حج کے لیے نہیں جاتا۔ پوری کوشش ہوتی ہے کہ اہل خانہ کو ساتھ لے کر جاؤں۔

دورہ حدیث والے سال ہم جماعت احباب استاد جی سے کہتے کہ: آپ ہماری سفارش فرمائیں کہ ہمیں یہیں اپنے مادرِ علمی (دارالعلوم مدنیہ) میں تدریس کی خدمت نصیب ہو جائے، تو بندہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر فرماتے کہ: ’’میں صرف حمزہ کی سفارش کروں گا۔‘‘ اِس پر بعض احباب مزاحاً عرض کرتے کہ: دین میں صاحبزادگی تو نہیں دیکھی جاتی، تو فرماتے: صرف صاحبزادگی نہیں، صلاحیت کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ پھر فوراً بندہ سے کہتے کہ: اپنے مدرسہ جامعہ نصرۃ العلوم میں جگہ بناؤ! وہاں محنت کرو! تو بندہ عرض کرتا کہ: نصرۃ العلوم میں آج کل ’’زاہدیت‘‘ کا غلبہ ہے، شیخ الحدیث (مولانا زاہدالراشدی صاحب) غامدیت کے پشت پناہ ہیں، اور مہتمم صاحب اُن کے ہم نوا۔ اِس لیے وہاں ہمارا گزارا نہیں ہوسکتا۔

بندہ کی عادت تھی کہ کاپی پنسل ساتھ رکھتا تھا، اور اساتذہ کرام کے ملفوظات مختلف عنوانات کے تحت درج کرتا رہتا تھا، استاد جی رحمہ اللہ کے ملفوظات ’’فیضانِ فیض‘‘ کے نام سے درج کیے تھے۔ سردست ملفوظاتِ اساتذہ کی ایک ہی کاپی مل سکی، جس میں ’’فیضانِ فیض‘‘ کا ایک صفحہ درج ہے، ملاحظہ ہو!

ارشاد فرمایا: ......سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے دارالخلافہ کوفہ میں تھے، ایک روز اپنے مصاحبوں سے سوال کیا کہ: سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ جواب ملا: علی المرتضیٰ جو شیرِ خدا ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! سب سے زیادہ بہادر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک مرتبہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے تھے، ہم میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے، کفار کثیر تعداد میں تھے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دیوانہ وار بھیڑ میں جا گھسے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے نرغے سے چھڑا لیا۔

قرآن پاک کی آیت ’’وقال رجل من آل فرعون...‘‘ کے تحت ارشاد فرمایا: ......سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: دورِ فرعون کے مردِ مومن سے دورِ ابوجہل کا مردِ مومن (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) ہزار درجے بہتر ہے، اُس نے ایمان چھپایا، اِس نے باوجود تکالیف ومصائب کے ڈنکے کی چوٹ اظہارِ ایمان کیا۔

ارشاد فرمایا...... حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا دین نیا نہیں، بلکہ پرانا ہے، لیکن تکمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی۔ دین کی مثال آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بچے کی سی تھی، جو بتدریج بڑھتا رہا، عمر (قد، جسامت وغیرہ) کے اضافہ کے ساتھ لباس، کپڑے، جوتے وغیرہ تبدیل ہوتے رہے۔ حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شباب کو پہنچ کر مکمل ہوا۔ اَب اِس کا لباس وغیرہ تبدیل نہیں ہوگا، بلکہ قیامت تک یہی چلے گا۔

ارشاد فرمایا...... کسی تقریب وغیرہ پر صرف نگرانی کرنے والا بوڑھا عملاً کام نہ کرنے کے باوجود

حُسنِ انتظام کی بناپر تعریف کا زیادہ مستحق سمجھا جاتا ہے۔ یہی مثال امت محمدیہ کی ہے۔(اسی لیے فرمایا گیا کہ:) یہود نے صبح تا ظہر کام کیا، مزدوری ایک قیراط ملی، نصاریٰ نے ظہر تا عصر کام کیا، مزدوری ایک قیراط، اور مسلمانوں نے عصر تا مغرب کام کیا اور مزدوری دو قیراط۔ (عمل کم، اجر زیادہ) ذلک فضل الله يو تيه من يشاء.

دوران تعلیم تو تقریباً سات (۷) سال استاذِ مکرم کی زیارت و ملاقات کی سعادت تسلسل سے نصیب ہوتی رہی، کبھی کبھار استاذ مکرم کے گاؤں جو شہر سے قریب ہی تھا، بھی حاضری ہوجاتی۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد بھی جب کبھی بہاول پور جانا ہوتا استاذِ مکرم رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری لازماً ہوتی تھی، بندہ کے دو سال تعلیمی سلسلہ میں کراچی گزرے، گجرات سے کراچی جاتے آتے اکثر بہاول پور قیام ہوتا اور اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملتی۔ الحمدلله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه

گزشتہ سال (۲۰۱۷ء میں) ''فضلاء اجتماع'' کے موقع پر کچھ دیر کے لیے مادرِ علمی ''دارالعلوم مدنیہ'' حاضری ہوئی تو استاذِ مکرم مولانا فیض محمد صاحب رحمہ اللہ کے گھر بھی گیا، طبیعت کافی ناساز تھی، بڑی مشکل سے وہیل چیئر پر بیٹھک میں تشریف لائے، نقاہت کے باعث بولنا بھی مشکل تھا۔ چند منٹ کی ملاقات کے بعد بندہ نے اجازت چاہی۔ بعد ازاں بھی ایک دو مرتبہ حاضری ہوئی، لیکن استاذِ مکرم آرمی ہسپتال میں داخل تھے، اور سویلین کو وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی، اِس لیے زیارت سے محرومی رہی۔

مؤرخہ ۲۳ر فروری ۲۰۱۸ء بروز جمعہ کو استاذ جی کی وفات کی اطلاع ملی تو بہاول پور کا رخ کیا، الحمدللہ جنازہ، تدفین وغیرہ میں شرکت نصیب ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ استاد جی کی کامل مغفرت فرماکر درجات بلند سے بلندتر فرمائیں، پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں اور ہم سب کو استاد جی کے علوم و فیوض سے محروم نہ فرمائیں۔ آمین یارب العالمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

استاد جی کے فرزند، ہمارے مہربان مولانا ضیاء الرحمٰن مدظلہ کے ذریعے اُن کی ہمشیرہ محترمہ کی رقم کردہ تحریر موصول ہوئی ہے، جس سے استاد جی کے گھریلو احوال پر بھی روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ ہو!

اباجی نوراللہ مرقدہ

زندگی تیرے تسلسل میں ہم نے!!!
وہ لوگ بھی کھوئے ہیں جو سانس کی مانند تھے

میرے مضمون کا عنوان میرے ضبط کے بندھن توڑتا نظر آتا ہے، گو میری آنکھوں میں رعنائی ہے، مگر پس چشم آنسوؤں کا ایک سمندر موجزن ہے، میرے الفاظ میرے جذبات کی عکاسی نہیں کرسکتے کہ میرا بدن اک موج بے کراں کی طرح غم کے بھنور میں غوطہ زن ہے۔ میں اس کیفیت سے کیوں نہ دوچار ہوں کہ

میرے مشفق، میرے محسن، میرے راہبر، میرے مہرباں، میری زندگی کے وہ سائبان جن کے سایہ شفقت میں میری زیست کے حسین ترین لمحے گزرے، ۲۳/ فروری بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو کر رحمتِ الٰہی کی آغوش میں چلے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

میرے اباجی حضرت مولانا فیض محمد صاحب نوراللہ مرقدہ عالم دین اور حافظ قرآن تھے، ہم نے جب سے ہوش سنبھالا، اباجی کو باقاعدگی سے نمازِ تہجد اور اَحکام شریعت پر کاربند دیکھا۔

اُنہوں نے کئی مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت بھی حاصل کی۔

بہاول پور کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم مدنیہ میں طویل عرصہ بطورِ مدرس خدمت دین میں مشغول رہے۔ اپنی زندگی کے آخری دو سال جوڑوں کی تکلیف کے باعث تدریس نہ کر سکے، جس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ: میں پڑھا نہیں رہا، مدرسے نہیں جا رہا، گھر بیٹھا ہوں۔ گذشتہ سال شوال میں فرمایا: میرا دل کرتا ہے کہ میں مدرسہ میں (بدستور) پڑھاتا رہوں۔

اباجی میں بلا کا صبر تھا، گھٹنوں کے شدید درد کے باوجود مجال ہے جو کبھی اُف، ہائے یا شکوہ کیا ہو۔ جب بھی حال پوچھا جاتا تو فرماتے: ''الحمدللہ'' ہم اس قدر صبر پر حیران رہ جاتے۔ سردیوں کی طویل راتوں میں تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے جسم اکڑ جاتا اور ایک ہی کروٹ پر سوئے رہتے، بعض دفعہ آنکھوں میں آنسو ہوتے، لیکن زبان پر الحمدللہ ہوتا۔

دل میں اک درد کا طوفاں رکا ہوا ہے — بتا رہا ہے چہرے پہ ضبط کا عالم

ہمارے دادا نہایت متقی تھے، ساری زندگی محنت مزدوری کر کے اپنی اولاد کو رزق حلال کھلایا۔ اِسی طرح اَباجی نے بھی ساری زندگی رزق حلال کا اہتمام کیا۔ اباجی کثیر العیال تھے، اپنی ساری اولاد کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ کیا، الحمدللہ ساری اولاد (سات بیٹے، دو بیٹیاں) حافظ قرآن ہیں، اور اکثر عالم دین ہیں۔ ساری اولاد کو حافظ بنانے کا سہرا والدہ صاحبہ کے سر ہے۔ اباجی ساری زندگی ''خیر کم خیر کم لاھلہ'' کا بہترین نمونہ رہے۔ باقی صفحہ نمبر 26 پر

وفیات

......تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی مبلغ مولانا عبیداللہ [بھکر] رحمہ اللہ

......محترم جناب قاری محمد اعجاز صاحب مدظلہ [گجرات] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ

......مولانا غلام حسین [ناظم: جامعہ مظہریہ حسینیہ، جنھان، سندھ] کی چچی محترمہ رحمہا اللہ

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ

امام کے پیچھے قراءت کرنا منسوخ ہے، شیخ البانی کا فتویٰ

ہم اہلِ سنت احناف امام کے پیچھے قراءۃ (فاتحہ وغیرہ) نہ کرنا از روئے دلیل صحیح سمجھتے ہیں۔ جب کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے جو مقتدی نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز باطل ہے۔مگر اُن کے مایہ ناز سپوت شیخ البانی نے امام کی اقتدا میں قراءۃ کرنے کو منسوخ قرار دیا ہے۔

شیخ البانی کا مقام و مرتبہ

شیخ البانی نے نسخِ قراءۃ پر جو دلائل دیئے ہیں انہیں ذکر کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم قارئین کو بتادیں غیر مقلدین کے ہاں اُن کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔آیئے! پہلے اُن کی مدح سرائی ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا علی محمد سعیدی غیر مقلد نے البانی صاحب کے بارے میں لکھا ہے:

''آپ کو علمِ حدیث میں خصوصا اسماء الرجال میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ممالک عربیہ میں آپ کی علمی قابلیت مسلم اور مشہور ہے کہ علمِ حدیث میں ان سے زیادہ تحقیق کسی کو نہیں۔''

[فتاویٰ علمائے حدیث:۱۷۶/۳]

مولانا صادق خلیل غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ البانی (رحمہ اللہ) کے علم و فضل کا مجھے اعتراف ہے اور حوالہ جات کی غیر مطبوعہ کتب جو اُن کے سامنے ہیں پاک و ہندو کے علماء اُن کتب کے مطالعہ سے محروم ہیں اور میرے جیسا تہی دامن علم و عمل اُن کی تالیف کردہ کتب کے جواہرات سے اپنے دامن کو مالا مال کرنے میں اپنے لیے فخر تصور کرتا ہے اور علمی دنیا میں اُن کی مساعی کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہے۔'' [ابتدائیہ نماز نبوی ترجمہ صلوٰۃ صلوٰۃ النبی:۱۳]

صادق خلیل صاحب مزید لکھتے ہیں:

''شیخ البانی جو فنِ رجال میں مسلّم حیثیت کے مالک ہیں اور اعاظمِ رجال سے شمار ہوتے ہیں۔''

[حاشیہ نمازِ نبوی:۹۱]

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عصرِ حاضر میں محدثِ کبیر محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ'' [حاجی کے شب و روز:۸]

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''محدثِ شام شیخ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ'' [مقدمۃ التحقیق، نمازِ نبوی ڈاکٹر شفیق الرحمٰن: ۳۷]

علی زئی صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''محدث العصر، امام المحدثین شیخ ناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ'' [حاشیہ عبادات میں بدعات: ۱۲۹]

مولانا ابوالاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اللہ رب العالمین کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اس دَور میں شیخ محمد ناصرالدین البانی کو پیدا فرما کر محدثین قدماء کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اس موسمِ خزاں میں شیخ البانی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے خدمتِ احادیث کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی اور حسبِ استطاعت اس کی خدمت کرتے رہے۔''

[مقالاتِ شاغف: ۳۵۸]

شاغف صاحب نے البانی صاحب کے بارے میں مزید لکھا:

''دنیا بھر میں ان کے اکثر معتقدین اس زعم میں مبتلا ہیں کہ امام بخاری بھی شیخ البانی سے کم درجہ رکھتے تھے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۳۵۸]

مولانا محمد خبیب اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام البانی ایسی نابغۂ روزگار شخصیات اور ان کے علوم کا وجود امتِ محمدیہ پر رب العالمین کا احسانِ عظیم ہے۔ اور ایسے لوگ صدیوں بعد بھی خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان جو خطِ امتیاز کھینچا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھایا یہ موحدین کے لیے بہت بڑا تحفہ جب کہ مبتدعین کے لیے زہرِ ہلاہل ہے اور ﴿لیحق الحق ویبطل الباطل﴾ کا مصداق ہے۔''

[مقالاتِ اثری: ۵۱۲]

خبیب صاحب اسی کتاب میں آگے لکھتے ہیں:

''امام العصر البانی'' [صفحہ: ۵۱۳]

''محدثِ کبیر البانی رحمہ اللہ'' [۵۲۸]

حافظ ثناء اللہ تبسم (بیرانی) صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ البانی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو ملکہ عطاء فرمایا تھا وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار تھے۔ علمِ حدیث کی جو خدمت آپ نے کی ہے محدثین کے بعد ویسی مثال ملنا مشکل ہے۔ آپ کی مؤلفات وتعلیقات کی تعداد دوسو سے زائد ہیں۔''

[فتاویٰ البانیہ، تعارف علامہ محمد ناصرالدین: ۳۳]

مولانا عبدالباری فتح اللہ غیر مقلد نے شیخ البانی کی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی کا اردو ترجمہ کیا۔ شروع

میں اپنی طرف سے مقدمہ بھی لکھا۔ اس مقدمہ میں البانی صاحب کو بہت زیادہ خراجِ عقیدت پیش کیا جس میں یہ بھی کہا کہ البانی بہت قد آور شخصیت تھے اُن جیسا عالم صدیوں بعد آیا کرتا ہے۔ [مقدمہ صفۃ صلوٰۃ النبی]

البانی صاحب کے پیش کردہ دلائل

غیر مقلدین کی زبانی آپ نے البانی صاحب کا مقام و مرتبہ ملاحظہ فرمالیا۔ اب آتے ہیں اُن دلائل کی طرف جن کی بنیاد پر انہوں نے امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کو منسوخ کہا ہے۔

قرآنی آیت سے دلیل:

قرآن میں ہے: **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلکم ترحمون** (سورہ اعراف)

جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

البانی صاحب نے اسی آیت سے دلیل لی ہے کہ جب امام قراءۃ کر رہا ہو تو مقتدی خاموش رہ کر امام کی قراءت کو سنے۔

چنانچہ مولانا ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ البانی نے ایک دلیل تو حدیث ''**من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ**'' دی ہے۔ دوسری دلیل حدیث ابوبکرہ ہے جس میں (ہے) کہ انہوں نے رکوع پالیا تھا اوران کو دوبارہ رکعت لوٹانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ تیسری دلیل قرآن کی یہ آیت ﴿**اذا قرئ القرآن**﴾ ہے۔ میں نے یہ سارے دلائل ان سے ایک مذاکرہ علمیہ میں بذاتِ خود سنے ہیں۔'' [مقالاتِ شاغف: ۳۵۵]

قراءۃ کی ممانعت والی حدیث سے دلیل:

شیخ البانی نے اپنی کتاب ''صفۃ صلوٰۃ النبی'' میں عنوان قائم کیا ہے: ''جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کا حکم'' اس عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری نمازوں میں ہر قسم کی قراءت سے منع فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے جہری قراءت کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ صبح کی نماز تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں سے استفسار کیا تم میں سے کون انسان میرے پیچھے پڑھتا رہا ہے۔ ایک نمازی نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھتا ہوں اس پر آپ نے فرمایا میں بھی سوچتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھ سے قرآن جھگڑتا ہے (قرآن پڑھا نہیں جا رہا ہے) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں قراءت سے رک گئے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہری قراءت فرماتے۔'' [صفۃ صلوۃ النبی کا اردو ترجمہ نماز نبوی: ۹۱]

تنبیہ: البانی صاحب کی اس عبارت میں تصریح ہے کہ ''لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء

میں قراءت سے رک گئے۔'' سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا ہی فرمان ہے۔

مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''**اذا قرأ فانصتوا**، جب امام قراءۃ کرے تو تم خاموش رہو۔

البانی صاحب نے اس حدیث کو بھی بطورِ دلیل کے ذکر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام کا تعین اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔'' [نمازِ نبوی:۹۲]

مولانا محمد صادق خلیل غیر مقلد لکھتے ہیں:

'' شیخ البانی نے نسخ قرآۃ پر **اذا قرأ فانصتوا**... سے بھی استدلال کیا ہے۔'' [حاشیہ نمازِ نبوی:۹۱]

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة** جس شخص کا کوئی امام ہو، امام کی قراءہ اسی کی قراءت ہے۔

البانی صاحب نے اس حدیثِ نبوی کو بھی اپنے موقف کے دلائل میں ذکر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

'' ایک دوسری حدیث میں مقتدی کے سننے کو کافی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآت کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے میں امام کی قراءت مقتدی کی قرآت ہے۔'' [صفۃ صلوۃ النبی کا اردو ترجمہ نمازِ نبوی:۹۲]

مولانا محمد صادق خلیل غیر مقلد لکھتے ہیں:

'' شیخ البانی نے نسخ قرآۃ پر .... **من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة** سے بھی استدلال کیا ہے۔'' [حاشیہ نمازِ نبوی:۹۱]

حدیثِ ابی بکرہؓ سے استدلال:

حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسجد نماز پڑھنے گئے، جونہی مسجد پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے۔ انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے صحن میں ہی نماز شروع کر دی اور رکوع میں شامل ہو گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے آئندہ ایسا نہ کرنا۔

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جب رکوع میں شامل ہوئے تو صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے فاتحہ نہیں پڑھی تھی۔ اس کے باوجود آپ نے انہیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

البانی صاحب نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:

''جس رکعت کا رکوع پا لیا ہو تو ظاہر بات ہے کہ وہ اس نہی میں شامل نہیں کیونکہ اگر اس رکعت کو شمار کرنے سے روکا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز لوٹانے کا حکم دیتے چونکہ ایک رکعت کی کمی کی وجہ سے وہ نماز ناقص ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تو ثابت ہوا کہ وہ نماز صحیح ہے اور جس رکعت کا رکوع پا لیا ہو اس کو شمار کرنے سے روکا نہیں گیا۔'' [سلسلہ صحیحہ: ۱/۴۰۴]

البانی صاحب ''**ولا تعد**، آئندہ ایسا نہ کرنا'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ یہ نہی رکعت شمار کرنے کو شامل نہیں۔'' [سلسلہ صحیحہ: ۱/۴۰۸، بحوالہ چھپے راز: ۶۲]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان اور البانی صاحب:

البانی صاحب لکھتے ہیں:

''**نعم اخرج البیهقی بسند صحیح عن عطاء بن یسار انه سأل زید بن ثابت عن القراء ة مع الامام فقال لا اقرأ مع الامام شئ وقال اخرجه مسلم۔**''

[سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۲/۱۲۴]

ترجمہ: بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا گیا امام کے ساتھ قراءۃ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں امام کے ساتھ کسی نماز میں نہیں پڑھتا۔ بیہقی نے کہا کہ اثر کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

بعضوں نے یہاں تاویل کی کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ امام کی اقتداء میں جہری قراءت نہیں کرنی چاہیے۔ البانی صاحب نے اس تاویل کو باطل قرار دیتے ہوئے لکھا:

ترجمہ: ''میں کہتا ہوں کہ یہ حمل (تاویل) بہت بعید ہے اور ایسا حمل مذہب کے ساتھ موافقت کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ ورنہ اس باطل تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ کیا اس زمانہ میں کوئی شخص تھا جو امام کے پیچھے جہری قراءۃ کا قائل ہو حتی کہ حضرت زید اس کے مذہب کے باطل کرنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ یقیناً ایسی بات نہ تھی لیکن مذہبی تعصب نے اس تاویل پر اُبھارا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصب سے بچائے۔''

[سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۲/۱۲۴، بحوالہ توضیح الکلام پر ایک نظر: ۸۰]

غیر مقلدین کے تاثرات

قارئین کرام! آپ نے اوپر شیخ البانی کا مقام و مرتبہ پڑھ لیا، پھر اُن کے وہ دلائل بھی ملاحظہ کر چکے جن کو مدار بنا کر انہوں نے امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کو منسوخ بتلایا ہے۔ اب ہم آپ کے مطالعہ میں یہ بات لانا چاہتے ہیں کہ البانی صاحب نے جب قراءۃ کرنے کو منسوخ لکھا تو اُن کے غیر مقلدین میں اس کا

کیا اثر ہوا اور انہوں نے کن خیالات کا اظہار کیا؟ آیئے پڑھئے!

مسلک اہلِ حدیث کو نقصان پہنچا:

مولانا ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ البانی کی صفۃ الصلوٰۃ بہت معروف ہے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ لوگ اس سے فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں البتہ اس کتاب کی وجہ سے مسلک اہلِ حدیث کو قراءت فاتحہ خلف الامام کے باب میں نقصان پہنچا ہے۔'' [مقالاتِ شاغف:۳۵۴]

غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث کا مسلک علماء کے فتوے اور اُن کی کتابیں نہیں بلکہ اُن کا مسلک تو قرآن و حدیث ہے۔ عرض ہے کہ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو البانی کی کتاب کی وجہ سے اہلِ حدیث مسلک کو نقصان کیوں پہنچا؟

اور یہ بھی یاد رہے کہ صرف البانی ہی نہیں بلکہ بہت سے غیر مقلد علماء ایسے ہیں جنہوں نے قراءۃ خلف الامام کے حوالہ سے کسی نہ کسی حد تک احناف کی تائید کی ہے مثلاً غرباء اہلِ حدیث نے فتویٰ دیا ہے کہ رکوع پالینے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ [فتاویٰ ستاریہ وغیرہ]

مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد نے لکھا کہ جو لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے اُن کی نماز ہو جاتی ہے۔ [خیر الکلام:۳۳]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے بلکہ انہوں نے لکھا جو لوگ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز کو باطل کہتے ہیں ان کا شمار جماعت کے ذمہ دار حضرات میں نہیں۔
[توضیح الکلام:۱ے طبع جدید]

مولانا غلام رسول غیر مقلد بھی جہری نماز میں قراءۃ کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ [سوانح حضرت العلام مولانا غلام رسول:۱۵۸]

تو کیا ان سب کے بارے میں یہی کہوگے کہ ان کی وجہ سے مسلک اہلِ حدیث کو نقصان پہنچا ہے؟

البانی کے دلائل پڑھ کر فاتحہ پڑھنا چھوڑ دی:

شاغف صاحب آگے لکھتے ہیں:

''چند سال قبل میرے پاس دو صاحبان تشریف لائے اور ان میں سے ایک قطر کے ملازم تھے اور دوسرے صاحب میرے جاننے والے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان کا رشتہ دار اہلِ حدیث تھا اور وہ (خود) بھی اہلِ حدیث تھے لیکن چند سالوں سے جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ (پڑھنا) امام کے پیچھے چھوڑ دیا تھا وجہ یہ تھی کہ شیخ البانی نے صفۃ الصلوٰۃ میں ایسی صحیح حدیثیں پیش کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں سورہ

فاتحہ مقتدی کو نہیں پڑھنی چاہیے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۳۵۴]

غیر مقلدین یہاں مختصر لفظوں میں جواب دیں کہ جس اہلِ حدیث نے البانی کی کتاب پڑھ کر امام کی اقتداء میں فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ وہ متبع حدیث کہلائے گا یا البانی کا مقلد؟

البانی صاحب نے مخالفین کے ہاتھوں میں خنجر تھما دیا:

شاغف صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''شیخ البانی نے اپنی عمر کا طویل حصہ خدمتِ حدیث میں گزارا ہے۔ اگر ان کی خدمات سے لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے تو بعض ناحیہ سے ایک خاص مکتبِ فکر یعنی جماعت اہلِ حدیث کو بہت بڑا نقصان بھی پہنچا ہے۔ مثلاً شیخ البانی نے ''صفۃ صلوٰۃ النبی'' لکھ کر احناف کو موقع فراہم کر دیا کہ وہ اہلِ حدیث مسلک پر خنجر آزمائی کے لیے اس کتاب کو ڈھال بنائیں۔'' [مقالاتِ شاغف: ۳۶۶]

یہ کیسا مسلک ہے جو علماء کے فتووں سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ اس میں خنجر پیوست ہو جاتے ہیں؟

شاغف صاحب! آپ جتنا مرضی واویلا کریں البانی صاحب کا خنجر مسلک اہلِ حدیث میں پیوست ہو چکا ہے اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے معتقدین کی ایک کھیپ میدان میں موجود ہے جو اِس طرح خنجروں کا وار کرتی رہے گی۔ آیئے اس کھیپ کی نشاندہی شاغف صاحب ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''آج کل جماعت اہلِ حدیث کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہے جو ناصر الدین البانی کی تقلید کو واجب سمجھتی ہے اور جو کچھ ناصر الدین البانی نے لکھ دیا ان کے نزدیک حرفِ آخر کی حیثیت سے من وعن قابل قبول ہے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۶۶]

البانی کی تحقیق کو ''سہو'' قرار دینے کا شاخسانہ:

حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''محدثِ شام شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ سے ایک عجیب سہو ہوا ہے، انہوں نے ''صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (ص: 80) میں ایک ضعیف اور غیر صریح روایت کی بنیاد پر جہری نمازوں میں قراءتِ فاتحہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔'' [مقدمۃ التحقیق، نماز نبوی ڈاکٹر شفیق الرحمٰن: ۳۷]

۱۔ یہ سہو نہیں، بلکہ اُن کی تحقیق ہے جیسا کہ بہت سے دیگر کئی علماء کا یہی مسلک ہے۔

۲۔ البانی صاحب نے قراءتِ فاتحہ کے منسوخ ہونے پر ایک دلیل نہیں متعدد حدیثیں پیش کی ہیں جیسا کہ اوپر صفۃ صلوۃ النبی کے حوالہ سے وہ حدیثیں مذکور ہوئیں۔

۳۔ اُن حدیثوں میں ایک حدیث ''جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو'' بھی ہے اور اس

حدیث کو تو علی زئی صاحب بھی صحیح کہتے ہیں بلکہ انہوں نے اس حدیث کی صحت پر ایک مستقل مضمون بھی لکھا ہے جو اُن کی کتاب ''علمی مقالات جلد دوم'' میں شامل ہے۔

غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ

غیر مقلدین جب فاتحہ خلف الامام پر بحث کرتے ہیں تو مخالفین پر مختلف فتوے لگاتے ہیں مثلاً: یہ کہتے ہیں کہ: امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے۔ [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۴۸۹]

اسی طرح یہ فتویٰ بھی دیا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے منکرِ حدیث ہیں۔

[فتاویٰ ستاریہ: ۴/۴۵]

یوں بھی کہا کہ جو لوگ رکوع پالینے کو رکعت کا پالینا کہتے ہیں وہ مخلد فی النار ہیں یعنی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ [اتمام الرکوع فی ادراک الرکوع: ۱]

اب غیر مقلدین ہی بتائیں کہ البانی اور اُن کے معتقدین جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءۃِ فاتحہ کے قائل نہیں اور رکوع پالینے سے رکعت پالینا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کی نماز باطل ہے، وہ منکرِ حدیث اور مخلد فی النار ہیں؟؟؟

جہری نمازیں

قارئین کرام! آپ نے ہماری اس تحریر میں اوپر پڑھ لیا کہ البانی صاحب جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں۔ اب ایک نظر جہری نمازوں کی طرف کرلیں کہ وہ کون کون سی ہیں۔

۱۔ پانچ نمازوں میں سے تین نمازیں: فجر، مغرب اور عشاء جہری ہیں۔ یومیہ پڑھی جانے والی فرض نمازوں میں جہری زیادہ ہیں۔

۲۔ سات دن بعد جمعہ آتا ہے۔ سال میں قریباً پچاس بار نمازِ جمعہ ادا کی ہے۔ یہ نماز بھی جہری ہے۔

۳۔ سال میں دو عیدیں پڑھی جاتی ہیں ان دونوں عیدوں میں قراءۃ جہراً کی جاتی ہے۔

۴۔ رمضان کا پورا مہینہ با جماعت تراویح پڑھی جاتی ہے۔ تراویح میں امام جہراً قراءت کرتا ہے۔

۵۔ رمضان میں وتر با جماعت پڑھے جاتے ہیں اور قراءت جہراً ہوتی ہے۔

البانی صاحب نے ان سب نمازوں کا مسئلہ حل کردیا کہ ان میں مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔

تنبیہ: غیر مقلدین کے ہاں جنازہ جہراً پڑھا جاتا ہے اور قراءۃ فاتحہ بھی کی جاتی ہے۔
اگر جنازہ جہراً ہو تو البانی اور ان کے معتقدین کے ہاں مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنا ممنوع ہوگا۔

☆......☆......☆......☆